# نصرة میگزین

صفر—ربیع الاول 1443ھ | ستمبر—اکتوبر 2021ء
شمارہ-62

## مغرب اپنی حد تک پہنچ رہا ہے جبکہ اسلام دوبارہ ابھر رہا ہے

## اسلام میں دولت کی تقسیم

## زنا بالجبر کی وجہ - تشدد، طاقت کا اظہار یا بھٹکی ہوئی جنسیت؟

# پاکستان، افغانستان اور وسطی ایشیاء کو ایک ریاستِ خلافت کی شکل میں یکجا کر کے، امریکی راج کی گرتی ہوئی دیوار کو آخری دھکا دے کر زمین بوس کر دو

# فہرست


اداریہ ........ 3

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(219-220) ........ 5

آیئے ہم ہر عمل میں اللہ سبحانہ وتعالی کی رضا کی جستجو کریں تا کہ ہر عمل اللہ سبحانہ وتعالی کے حکم کے مطابق اپنا مقصد پورا کرے ........ 15

اسلام میں دولت کی تقسیم ........ 27

مغرب اپنی حد تک پہنچ رہا ہے جبکہ اسلام دوبارہ ابھر رہا ہے ........ 34

عالمی شہریت -ایک مغربی ایجنڈا ........ 44

اُن کی مثال جو اللہ کی حدود کو قائم کرتے ہیں اور وہ جو اِن حدود سے تجاوز کرتے ہیں ........ 55

زنا بالجبر کی وجہ - تشدد، طاقت کا اظہار یا بھٹکی ہوئی جنسیت ؟ ........ 61

پاکستان، افغانستان اور وسطی ایشیاء کو ایک ریاستِ خلافت کی شکل میں یکجا کر کے، امریکی راج کی گرتی ہوئی دیوار کو آخری دھکا دے کر زمین بوس کر دو ........ 69

پاکستان اور جغرافیائی اقتصادیات کا دھوکہ ........ 74

سوال وجواب: جنیوا میں امریکہ روس سربراہی ملاقات کے اثرات ........ 86

سوال وجواب: دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے بعد حزب کا کام کیا ہو گا ........ 94

سوال وجواب: افغانستان میں سیاسی ہلچل اور اس کے اثرات ........ 99

میڈیا سر گرمیاں ........ 108

# اداریہ

مسلمانوں کے غصب شدہ حقوق گھٹنے ٹیک دینے، سمجھوتے، سفارت کاری اور مذاکرات سے کبھی واپس نہیں ملتے۔ بلکہ ان کو مخالف کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے، جدوجہد اور قربانی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل کے مطیع ہونے کے طرزِ عمل سے متعلق، عظیم تاریخ دان ابنِ خلدون نے مقدمہ میں ظلم کے آگے نرمی برتنے کے بارے میں ان الفاظ میں خبردار کیا، أن المذلة والانقياد كاسران لسورة العصبية وشدتها فإن انقيادهم ومذلتهم دليل على فقدانها فما رئموا للمذلة حتى عجزوا عن المدافعة "(ظلم کے مقابلے میں) تذلیل اور تابعداری اجتماعی احساس کی قوت کو توڑ دیتی ہے۔ ان کا ذلیل ہونا اور اطاعت میں گر جانا خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ نقصان میں پڑ گئے ہیں۔ وہ تذلیل کو برا نہیں سمجھتے، حتیٰ کہ وہ اپنے دفاع کے قابل نہیں رہے"۔

ہمارے اس موجودہ دور میں، جب طاقت سے دبانے اور وی آئی پی کلچر کا راج ہے، اس بات کا ادراک ضروری ہے کہ طاقت اختیار، عہدے، دولت یا پروٹوکول سے نہیں آتی، بلکہ حق پر ثابت قدمی سے آتی ہے، چاہے آپ کے پاس کوئی بڑا عہدہ ہو یا نہ ہو۔ ایک مسلمان شاید اختیار اور حکمرانی سنبھالنے کی صلاحیت بھی نہ رکھتا ہو، لیکن وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھتے ہوئے ظالم لوگوں یا حکمرانوں کے سامنے کمزور نہیں پڑتا اور نہ ہی ان کا مطیع بنتا ہے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے خود کو گورنر بنانے کی درخواست کی، لیکن آپ ﷺ نے ان کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا، **يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِيفٌ وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا "تم کمزور ہو ابوذر، اور یہ ایک امانت ہے جو قیامت کے دن شرمندگی اور ندامت کا باعث بنے گی سوائے اس کے لیے جو اس کا حق ادا کرتا ہے اور اپنی ذمہ داری پوری کرتا ہے"** (مسلم)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے کہا، **يَا أَبَا ذَرٍّ إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا وَإِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي لَا تَأَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيمٍ، "میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور ہو ابوذر، اور میں تمہارے لیے وہی چاہتا ہوں جو میں اپنے لیے چاہتا ہوں۔ دو لوگوں پر بھی حکمرانی کو**

**قبول نہ کرو اور یتیم کی جائیداد کے سرپرست نہ بنو"**۔ امام نووی نے اس پر یوں تبصرہ کیا، هذا الحديث أصل عظيم في اجتناب الولايات ، لا سيما لمن كان فيه ضعف عن القيام بوظائف تلك الولاية "یہ حدیث حکمرانی سے بچنے کے بارے میں ایک عظیم اصول ہے، خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو ریاست کے فرائض کو انجام دینے کے لحاظ سے کمزور ہوں"۔

حکمرانی کے لیے درکار انتظامی و فیصلہ سازی کی صلاحیتوں کے قابل نہ ہونے کے باوجود، ابوذر غفاریؓ نہ تو گھٹنے ٹیکنے والے تھے اور نہ ہی کمزور پڑنے والوں میں سے تھے۔ انہوں نے مکہ کی حکمران اشرافیہ یعنی قریش کے سامنے بہادری سے اپنا اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا، جس پر ان پر وحشیانہ حملہ کیا گیا اور بے رحمی سے مارا گیا۔ اس کے بعد وہ اپنی قوم، غفار قبیلے کے پاس واپس چلے گئے اور اس وقت تک آرام نہیں کیا جب تک کہ ایک بڑی تعداد اسلام میں داخل نہ ہو گئی، جس سے قریش کے شرک کو ایک زبردست دھچکا لگا۔

درحقیقت ابوذرؓ ایک مضبوط شخصیت تھے جو آج کی مضبوط شخصیات کے لیے رہنما ستارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یقینی طور پر، مسلمان کو ان ظالموں کے سامنے کمزور یا مطیع نہیں ہونا چاہیے جو امتِ مسلمہ کو تکلیف دیتے ہیں۔ یہ یزید کی جنس سے تعلق رکھنے والے ناجائز غاصب ہیں، کیونکہ ان کو کسی شرعی بیعت کے ذریعے اسلام کے مطابق حکومت کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو نظر انداز کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی کر کے اللہ کے عذاب کو دعوت دیتے ہیں۔ ان کے ظلم کو قبول کرنے یا برداشت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا تبدیلی کے لیے دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ تمام نسلوں میں سے بہترین یعنی صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ظلم کی مخالفت کی جائے، اور ظلم کے خلاف جدوجہد اور قربانی کی راہ اختیار کی جائے۔

فہرست

# تفسیر سورۃ البقرۃ-(219-220)

جلیل قدر عالم دین شیخ عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کی کتاب "التیسیر فی اصول التفسیر" سے اقتباس

**يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ (219) فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ.**

"لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔آپ کہہ دیجیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ بھی ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں،اور دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔اور لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ (اللہ کی خوشنودی کے لیے) کیا خرچ کریں؟آپ کہہ دیجیے کہ جو تمہاری ضرورت سے زائد ہو۔اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے احکامات تمہارے لیے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر سے کام لو۔دُنیا کے بارے میں بھی اور آخرت کے بارے میں بھی۔اور لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔آپ کہہ دیجیے کہ ان کے لیے بھلائی چاہنا نیک کام ہے،اور اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو (کچھ حرج نہیں کیونکہ) وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون معاملات بگاڑنے والا ہے اور کون سنوارنے والا۔اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشکل میں ڈال دیتا،یقیناً اللہ کا اقتدار بھی کامل ہے،حکمت بھی کامل ہے"

اس عظیم سورت میں رسول اللہ ﷺ پر مسلسل آیات نازل ہوتی رہیں، جو عقیدہ اور احکام شرعیہ کے اعتبار سے ایک پختہ اسلامی شخصیت،یعنی اسلامی عقلیت اور اسلامی نفسیت، کی تعمیر کے لیے متعدد مسائل کے حوالے سے شرعی احکامات بیان کرتی ہیں، جس کی بنا پر مسلمان سچے ایمان والا بنے اور اسلامی احکامات پر مضبوطی کے ساتھ کاربند رہ سکے،یعنی ان کا پابند رہ کر زندگی گزارے۔

1- کچھ مسلمانوں نے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھا، تو اللہ سبحانہ نے اس کا جواب دیا، **فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ** "ان میں بڑا گناہ اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں"۔ یہ نہیں کہا کہ (هما اثم) یہ دونوں گناہ ہیں، اس لیے مسلمانوں نے اس آیت کریمہ سے شراب اور جوئے کا حرام نہ ہونا سمجھا، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی سمجھا کہ یہ کام نہ کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ: (**اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا**) "ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے"۔

جہاں تک فائدے کی بات ہے تو یہ اس لیے کہ شراب کی تجارت اور اس پر حاصل ہونے والے منافع اس کا فائدہ اور نتیجہ تھا، اور قمار میں نفع وہ مال تھا جو ان کو قمار بازی سے منتقل ہو جاتا تھا، جس میں کوئی محنت و مشقت نہیں کرنی پڑتی، پھر یہ بھی نفع تھا کہ وہ فقیر اور مسکین لوگوں کو بھی اسی مال میں سے دیتے تھے۔

ان دونوں کاموں میں گناہ اس طرح تھا کہ شراب نوشی کے بعد شراب پینے والا نامناسب اور برے کاموں میں پڑتا اور نازیبا حرکات کرتا تھا۔ جوئے والا باطل طریقے سے مال کھاتا تھا، اور اگر خسارہ اُٹھاتا تو جوئے کے نتیجے کے طور پر اسے اپنا مال بیچنا پڑتا، پھر اس سے جو دشمنیاں اور بغض پیدا ہوتا ہے، وہ گناہ اس پر مستزاد ہے۔

الواحدی کہتا ہے: یہ آیت عمر بن الخطاب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما اور انصار کے کچھ اور لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی، یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آکر پوچھا: "ہمیں شراب اور قمار کے بارے میں فتویٰ دیں، کیونکہ یہ دونوں عقل کو زائل کر دیتے ہیں اور مال چھین لے جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل کی"۔ (تفسیر البیضاوی ج/1 ص235)

اور خمر عربی لفظ ہے یہ خَمَرَ سے ماخوذ ہے، یہ تب بولتے ہیں جب کوئی کسی چیز کو ڈھانپ لے یا چھپائے، اسی سے خمار المراۃ ہے، یعنی عورت کا دوپٹہ، کوئی بھی چیز جب دوسری چیز کو ڈھانپ لے تو عربی لغت میں اس کو خمر کہتے ہیں، اسی سے ((خَمَّروا آنيَتَكُم)) ہے جو حدیث میں آیا ہے، یعنی "اپنے برتنوں کو ڈھانک لیا کرو"۔ تو شراب کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے، یعنی اس پر پردہ ڈال دیتی ہے اور عقل کی صلاحیت کو مسدود کر دیتی ہے۔

اور میسِر (قمار) مصدر میمی ہے، یہ یُسر سے نکلا ہے جیسے مَوعِد وَعَدَ سے نکلا ہے، کہتے ہیں: يسرته اذا اقمرته، میں نے اس کے ساتھ یسر کیا، یہ تب بولتے ہیں جب جوا کھیلے، اس کی اصل یسر سے ہے، اوریسر آسانی کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں کسی کا مال بآسانی لے لیا جاتا ہے، جس میں بہت زیادہ تگ و دو نہیں کرنی پڑتی ہے۔

2- اور خمر ہر نشہ آور کا نام ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (( **كلُّ مسكرٍ خمرٌ** )) **"ہر نشہ آور شے خمر ہے"** (مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، احمد)۔ یعنی شراب ہے۔ اور شراب حرام ہے، خواہ انہی چیزوں سے بنائی جائے جن سے عرب اس زمانے میں شراب بناتے تھے، (انگور، کھجور، گندم، جو اور جوار) جیسا کہ ابوداؤد نے روایت کیا ہے، یا کسی بھی دوسری نوعیت کے اجزا سے تیار کی جائے، بشرطیکہ گزشتہ حدیث کے مطابق مشروب کی حقیقت میں شراب کی حقیقت پایا جائے یعنی نشہ آور ہونا۔

یہی وجہ ہے کہ جدید نشہ آور تمام مشروبات جن میں الکحل ڈالا جاتا ہے، ان سب کو خمر یعنی شراب سمجھا جائے گا اور ان پر شراب کے احکامات ہی لاگو ہوں گے۔

شراب اس آیت **(يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا)** **"لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ بھی ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں، اور دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ بڑھا ہوا ہے"**، کی وجہ سے حرام نہیں ہوئی، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، بلکہ سورۃ مائدہ کی اِن آیات کی بنا پر حرام ٹھہری یعنی

**(يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ)**. (المائدۃ/آیۃ 90_91) " شراب، جوا، بتوں کے تھان اور جوئے کے تیر، یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں، لہٰذا ان سے بچو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے

درمیان دشمنی اور بُغض کے بیج ڈال دے، اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔اب بتاؤ کہ کیا تم (ان چیزوں سے) باز آجاؤ گے؟"

یہ حتمی نہی کی قوی ترین قسم ہے:

**اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ . "شراب،جوا،بتوں کے تھان اور جوئے کے تیر، یہ سب ناپاک ہیں"۔**

**مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ** "شیطانی کام ہیں"

**فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.** "لٰہذا ان سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ"

**اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ** "شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دُشمنی اور بغض کے بیج ڈال دے"

**وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ.** اور تمہیں اللہ کی یاد

﴿ **وَعَنِ الصَّلٰوةِ**﴾ اور نماز سے روک دے۔"

**فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ**"اب بتاؤ کہ کیا تم (ان چیزوں سے) باز آجاؤ گے؟"

آیت کریمہ کے ان اجزا میں سے ہر ایک جزء حرام کر دینے کے لیے کافی ہے، اسی وجہ سے صحابہ پکار اُٹھے تھے: انتهينا يا رب! "پروردگار! ہم رُک گئے"۔انہوں نے شراب چھوڑی بھی تو عجیب طریقے سے، کیونکہ ایک آدمی جو سالوں سے شراب نوشی کا عادی تھا، مگر سورۃ مائدہ کی آیت نازل ہونے پر شراب حرام ہونے کی خبر پہنچتے ہی، اُس نے فوراً بلا تاخیر یکسر اسے ترک کر دیا، حتیٰ کہ اس وقت جو گھونٹ لیا تھا، وہ بھی پھینک دیا، یہ نہ کہا کہ: اس کو پی کر بعد میں اجتناب کرنے لگوں گا۔

اور شراب سے متعلق دس اُمور حرام ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((فقد لعن رسول الله صلى الله عليه و سلم الخمرة ولعن معها عشرة: بائعها ومبتاعها والمشتراة له وعاصرها والمعصورة له وساقيها وشاربها وحاملها والمحمولة له وآكل ثمنها ))**

**"رسول اللہ ﷺ نے شراب پر لعنت کی، اور اس کے ساتھ دس چیزوں پر لعنت کی: اس کے بیچنے والے پر، اس کے**

**خریدنے والے پر، جس کے لیے خریدی جائے، اس کو نچوڑنے والے پر، جس کے لیے نچوڑی جائے، اس کے پلانے والے پر، اس کے پینے والے پر، اور اس کو لے جانے والے پر، جس کے پاس لے جایا جائے، اور اس کی قیمت کھانے والے پر"** (ابوداؤد، ترمذی)۔

اور شراب پینے والے کی سزا چالیس یا اسی کوڑے کی حد ہے، چالیس یا اسی کے علاوہ کوئی دوسری سزا جائز نہیں، چنانچہ پچاس یا ساٹھ جائز نہیں"، اس کی بنیاد یہ حدیث ہے، **("لما صح عن رسول الله ﷺ أنه حدّ شارب الخمر أربعين وثمانين") "کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے یہ صحیح حدیث ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے شراب پینے والے کو چالیس یا اسی کوڑے کی حد لگائی"**۔ (ابوداؤد)

جہاں تک اس کو بیچنے والے کی سزا کا تعلق ہے یا باقی دس کے حوالے سے، تو ان کی سزا تعزیری ہے، کیونکہ اسلام میں ہر حرام عمل پر اسلامی ریاستِ خلافت کی طرف سے سزا دی جاتی ہے، یہ حد کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے، یا جنایات، تعزیر یا مخالفات کی صورت میں بھی۔ جیسا کہ ہماری کتاب **نظام العقوبات فی الاسلام** میں سزاؤں کے باب میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

3- اور قمار جوئے کی ہر قسم کو کہتے ہیں، خواہ وہی ہو جو حرام کیے جانے کے زمانے میں عرب استعمال کرتے تھے یا بعد میں رائج ہونے والی اس کی کوئی بھی شکل ہو، بشرطیکہ اس کی حقیقت وہی ہو جو حرام شدہ قمار کی ہے۔

اونٹوں کو ذبح کر کے ان پر جوا کھیلنا عربوں کے ہاں رائج قمار ہی میں سے تھا، جن کو وہ خریدتے اور ان کی قیمت لگا کر متعین کر لیتے، پھر اپنے میں سے ہر ایک آدمی کے نام سے ایک ایک تیر متعین کر دیتے تھے، اس کے ساتھ ہر تیر کی مخصوص نشانیاں مقرر کی جاتی تھیں، جن سے نامزد آدمی کا اونٹ میں سے حصہ معلوم کیا جاتا تھا، یعنی اس تیر کا اونٹ میں سے ایک حصہ ہے، اس کے دو حصے ہیں، بعض تیر ایسے ہوتے تھے جن کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا، پھر ان تیروں کو کپڑے کے ایک تھیلے یعنی ترکش میں رکھ دیتے تھے، پھر ایک آدمی کو چن کر طے کرتے کہ وہ تھیلے میں ہاتھ اندر ڈالے اور اس میں موجود تیروں کو دو یا تین مرتبہ ہلا کر اُلٹ پلٹ کر کے ایک ایک کر کے تیر نکالے۔

پس اگر کسی آدمی کا تیر نکل آتا تو اس پر لگی نشانی دیکھی جاتی تھی، اگر اس پر ایک حصہ لکھا ہوتا تو وہ اونٹ کے گوشت میں سے ایک حصہ لے لیتا اور اگر اس پر دو حصے ہوتے تو دو لیتا تھا، اور یہ حصے تب ملتے جب اونٹوں کو حصوں کے حساب سے تقسیم کر دیتے، اور جس کا حصہ خالی نکل آتا اسے کچھ بھی نہ ملتا، تاہم اس کو ذبح شدہ اونٹ کی قیمت دینی پڑتی۔

وہ فقیروں اور ناداروں کو بھی گوشت کا کچھ حصہ دیتے تھے، یوں ان کے جوا کھیلنے سے فقراء بھی فائدہ اُٹھاتے تھے، جبکہ خالی حصے والے ذبح ہونے والے اونٹوں کی قیمت دیتے۔

یہ وہ جوا تھا جو ان کے ہاں اس زمانے میں رائج الوقت تھا، تاہم اس میں جوئے بازی کی ہر قسم شامل ہے جس کی شکل کوئی بھی ہو اور جس کے لیے کوئی بھی ذریعہ اپنایا جائے، تو جو کوئی ایسا کھیل کھیلے جس میں ہارنے والے آدمی کو متعین مقدار اپنی طرف سے دینا پڑتی ہے، تو اس کا یہ عمل قمار سمجھا جائے گا، اور مخصوص نمبروں والے کاغذ سمیٹنے میں شرکت کرنا، یعنی لاٹری میں شرکت کرنا کہ اگر اس کا متعین کردہ نمبر نکل آتا ہے تو وہ انعام لے لیتا ہے، جس کا نمبر نہ نکلے تو دی ہوئی رقم چلی جاتی ہے، اور اس کو کچھ بھی نہیں ملتا ہے، تو یہ سب قمار بازی کے زمرے میں آتا ہے، خواہ لاٹری کے چوتھائی حصے میں سے فقراء کو کچھ دیا جائے یا بعض خیراتی اداروں کو کچھ دیا جائے، جنہیں آج کل خیراتی لاٹری کہا جاتا ہے، تو یہ بھی قمار ہے، بشرطیکہ نمبروں کے ذریعے شرکت کی جائے۔ یعنی جس کا نمبر نکلے، وہ لے لیتا ہے، جس کا نہ نکلے، وہ دی ہوئی رقم گنوا دیتا ہے اور اسے کچھ بھی نہیں ملتا۔

یہ سب قمار میں داخل ہے، کیونکہ قمار کی جو حقیقت جاہلیت کے دور سے ان کے ہاں پائی جاتی تھی، وہ ان سب کو شامل ہے۔ یعنی جس کا تیر نکل آتا وہ اپنا حصہ حاصل کر لیتا۔ اس طرح وہ فقراء کو اس گوشت میں سے، جو اُن کے حصے آتا تھا، دے کر فائدہ پہنچاتے تھے۔ پس ان کی حقیقت ایک ہے، حصوں پر کی جانے والی ہر جوئے بازی اس میں داخل ہے۔

جوئے کی حقیقت قرعہ اندازی سے مختلف ہے، جس کا ذکر حدیث میں موجود ہے: **( كان رسول الله ﷺ إذا خرج أقرع بين نسائه)** **"رسول اللہ ﷺ جب سفر پر نکلتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کرتے تھے"** (مسلم، احمد، ابنِ حبان)۔ **(اعتق رجل من الأنصار ستة أعبد عند موته لم يكن له**

**مال غيرهم فبلغ ذلك النبي ثم دعا بهم فجزأهم ثم أقرع بينهم فأعتق اثنين وأرق أربعة) "ایک انصاری صحابی نے اپنی وفات کے وقت چھ غلام آزاد کردیے، ان غلاموں کے علاوہ اس کا کوئی اور مال نہیں تھا، نبی ﷺ کو اس کا پتہ چلا تو ان غلاموں کو بلایا، اور ان کے حصے بنائے پھر ان کے درمیان قرعہ ڈالا، جس کے نتیجے میں دو کو آزاد کردیا اور باقی چاروں کو (وراثت کے لیے) غلام رہنے دیا"۔**

تو مذکورہ قرعہ اندازی قرعہ ڈالنے والوں کے حصوں کی تعین کی لیے تھی، کیونکہ اس صورت میں ہر ایک کا حصہ دوسرے کی طرح تھا، اس قرعہ اندازی کا مقصد ہر ایک کا حصہ متعین کرنا ہوتا تھا، اور اسی پر قرعہ اندازی کرتے تھے، تو وہ پہلے سے ان حصوں کے مالک ہوتے تھے، جوئے کی وجہ سے مالک نہیں بنتے تھے، اس لیے قرعہ اندازی کی حقیقت جوئے سے مختلف ہے، یہ طیب اور حلال ہے اور قمار خبیث اور حرام ہے، جیسا کہ ہم اس کو بیان کریں گے، ان شاءاللہ۔

ہر قسم کا جوا حرام ہے، یہ حرمت اس آیت کی وجہ سے نہیں کیونکہ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ جوئے کے کاروبار میں اس کے نفع سے گناہ زیادہ ہے، جوئے کی حرمت سورہ مائدہ کی اسی آیت کی ذریعے ہوئی جو ہم نے اس سے قبل ذکر کی ہے۔ یعنی **اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ** "بلاشبہ شراب، جوا، (اللہ کے علاوہ) بت (کیلئے قربانی) اور تیر ناپاک ہیں۔"

اور ہم نے یہ ذکر کیا کہ اس کی حرمت کتنی شدید ہے، ایک تو اس آیت کے الفاظ کی دلالت کی بنا پر، دوسرا جوے بازی پر سزا (تعزیر) کی وجہ سے، تعزیر اسلام میں ایسی سزا کو کہتے ہیں جس کا اندازہ قاضی لگاتا ہے، لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ جوئے باز کو اس سزا سے سبق حاصل ہو، لہذا سزا اتنی مقدار میں ہونی چاہیے کہ جوا کھیلنے والے کی سزا کے لیے کافی ہو، بلکہ دیگر جوئے بازوں کے لیے، جنہیں اس سزا کی اطلاع ہو، بھی تنبیہ کا باعث ہو، اس لیے یہ سخت ہونی چاہیے اور جرم کے مناسب مقدار میں ہونی چاہیے تاکہ عبرت بنے۔

موضوع کے آخر میں میں کہتا ہوں:

جو لوگ خیراتی لاٹری کو جو آج کل رائج اور عام ہے، حرام جوئے سے نکالنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، اس دلیل کی بنا پر کہ اس سے حاصل شدہ منافع سے بعض غریب لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے، یہ گمراہی میں پڑے ہیں اور ان کی

دلیل کمزور ہے،ان کا یہ قول یکسر باطل اور لغو ہے، کیونکہ جوئے کی حقیقت جو حرمت کے نزول کے وقت رائج تھا، اس میں بھی غریب لوگوں کو نفع پہنچایا جاتا تھا، کہ مخصوص حصے کے تیروں والے جوئے باز جو گوشت کما لیتے، اس کو فقراء پر تقسیم کرتے تھے، حتی کہ جاہلیت میں وہ اس گوشت کو کھاتے ہی نہیں تھے بلکہ سارا گوشت فقراء کو دیدیتے تھے، اور اس پر فخر کرتے تھے، اور ایسا نہ کرنے والوں کی مذمت کیا کرتے تھے، اس کے باجود اسی جوئے کی حرمت اتری۔

یہی وجہ ہے کہ خیراتی لاٹری جوئے کی حرمت میں داخل ہے، اور اس کی کچھ مقدار سے فقراء کو نفع رسانی، اس کو اس حرمت سے نہیں نکالتی، کیونکہ حرام شدہ قمار کی حقیقت اس پر لاگو ہوتی ہے۔

4- پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایک اور مسئلہ بیان فرمایا، گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا تھا کہ **يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۗ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ** **"اور لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ (اللہ کی خوشنودی کے لیے) کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجیے کہ "جو مال بھی تم خرچ کرو وہ والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہونا چاہیے"**۔ لہٰذا خرچ کرنے کے معاملے میں والدین، قریبی رشتہ دار، یتیم، مسکین اور مسافر کی ترجیح ہے، یہی وہ لوگ ہیں جن کی طرف خرچ کرنے کی رغبت ہے۔

لیکن یہ آیتِ کریمہ ایک اور موضوع کو بیان کرتی ہے، یہ گزشتہ آیت میں پوچھے گئے سوال کے علاوہ ایک اور سوال کا جواب ہے۔ اور یہ سوال خرچ کی مقدار سے متعلق تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان فرمایا کہ: **(الْعَفْوَ) "زائد"**۔ یہ وہ مال ہے جو روزمرہ کے اخراجات سے زائد ہو یعنی بچت کا مال۔

ابنِ اسحاق نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: صحابہؓ میں سے کچھ لوگوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہوا تو انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: ہم نہیں جانتے کہ ہمیں اپنے اموال میں سے جو کچھ خرچ کرنے کا کہا گیا ہے، وہ کتنا ہے؟ جبکہ اس سے پہلے کوئی اپنی ساری پونجی صدقہ کر دیتا تھا، یہاں تک کہ اپنے اہل و عیال کے لیے بھی کچھ نہ چھوڑتا اور گھر والے بھوکے رہ جاتے، اس کے پاس دوبارہ صدقہ کرنے یا کھانے کے لیے کچھ نہ

بچتا، بلکہ لوگ اس کو صدقہ دینے لگتے۔

تو اس آیت میں اس کا جواب دیا گیا کہ صدقہ بچت کے مال میں سے دینا چاہیے یعنی روز مرہ کے خرچ سے فالتو مال میں۔

رسول اللہ ﷺ سے اسی مضمون اور مطلب کی احادیث آئی ہیں، مثلاً شیخین، ابو داؤد اور نسائی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادہ نقل فرماتے ہیں: **(خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى وابدأ بمن تعولِ) "بہترین صدقہ وہ ہے جو مالداری کے بل بوتے پر دیا جائے، اور پہلے اپنے اہل و عیال پر صدقہ کرو"** (بخاری، مسلم، ابو داؤد، النسائی)۔ یعنی مالدار کے صدقے کا مال کے مضبوط سہارے پر اعتماد ہوتا ہے، چنانچہ وہ صدقہ بھی کرتا ہے اور اپنے اہل و عیال کے لیے مال بھی چھوڑتا ہے۔

5- پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سورت میں متعدد شرعی احکامات کے ضمن میں ایک اور مسئلہ بیان فرماتے ہیں وہ مسئلہ یتیموں کے بارے میں ایک سوال کا جواب ہے، ہوا یوں کہ جب قرآن کریم نے یتیموں کا مال کھانے پر سخت وعید سنائی جیسا کہ سورۃ الانعام میں ہے: **وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ﴾ "اور یتیم جب تک پختگی کی عمر کو نہ پہنچ جائے، اُس وقت تک اُس کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ، مگر ایسے طریقے سے جو (اُس کے حق میں) بہترین ہو"** (الأنعام/آية: 152)۔ اسی طرح سورہ النساء کی آیت **اِنَّ الَّذِيۡنَ يَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡيَتٰمٰى ظُلۡمًا اِنَّمَا يَاۡكُلُوۡنَ فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا‌ ؕ وَسَيَصۡلَوۡنَ سَعِيۡرًا "یقین رکھو کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، اور انہیں جلد ہی ایک دہکتی آگ میں داخل ہونا ہوگا"** (النساء/10)۔ تو بعض صحابہؓ جن کی سرپرستی میں کچھ یتیم بچے تھے جن کی وہ کفالت کرتے تھے، اتنی احتیاط کرنے لگے کہ اچھی سرپرستی نہ ہونے کی صورت میں اللہ اور اس کے عذاب کا خوف دامن گیر ہوا، اسی خوف کی وجہ سے یتیموں کے مالوں کو ہاتھ لگانے سے اجتناب کرنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ اپنا کھانا پینا یتیموں کے کھانے پینے سے الگ کرنے لگے، حتی کہ بسا اوقات یتیموں کا بچا ہوا کھانا سڑ جاتا تھا، سرپرست گناہ سے بچنے کی خاطر اس کو نہ کھاتے، تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، جیسا کہ ابو داؤد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور

اس آیت میں اللہ سبحانہ نے مندرجہ ذیل امور بیان فرمائے ہیں:

ا- بلاشبہ ہر وہ کام جس میں یتیموں کے اموال کی اصلاح، اضافہ اور حفاظت ہو، سرپرست وہ سب کام کر سکتا ہے، اور وہ اچھی طرح سے اور اخلاص کے ساتھ یہ کام کرتا ہے، تو اِس میں اُس کے لیے اجر ہو گا۔

ب- ان کے ساتھ اکٹھے رہنا ان کو الگ کر دینے سے افضل ہے، تو اگر تم ان کے ساتھ مل کر کھاتے پیتے ہو یا اکٹھا رہن سہن رکھتے ہو جس میں ان کے اموال کی اصلاح بھی ہو اور ان کی بہتری ہو تو یہ بات ان کو الگ رکھنے سے زیادہ بہتر اور عمدہ ہے، یہ افضلیت اس آیت سے معلوم ہوتی ہے **وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ "اور اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو (کچھ حرج نہیں کیونکہ) وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں"۔**

یہاں **(فَاِخْوَانُكُمْ) "وہ تمہارے بھائی ہیں"**، ذکر کیا گیا، اس میں یتیموں کے ساتھ مل جل کر رہنے اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے کی ترغیب اور حوصلہ افزائی ہے، گویا یہ بھی اپنے خاندان ہی کے افراد ہیں، اور یہ ترغیب اس لیے دی گئی تاکہ ان پر خوب توجہ دی جائے اور زیادہ اہتمام کیا جائے۔

ج- پھر اللہ سبحانہ نے بیان کیا کہ وہ خوب جانتا ہے کہ کون انصاف اور اصلاح سے کام لے رہا ہے اور اسی غرض سے میل جول کر رہتا ہے اور کون فساد کی غرض سے۔ یعنی اکٹھا معاملہ اس لیے رکھنا چاہتا ہے کہ ان کے مالوں کی حفاظت ہو یا ان کے اموال کھانے کے لیے اس اختلاط کو جواز بنانے کے ارادے دل میں لیے پھرتا ہے۔

د- پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آیت کے اختتام پر ان کو اپنی مہربانی یاد دلائی کہ ان کے لیے یتیموں کی کفالت میں آسانی کر دی اور ان کے لیے ان کے ساتھ میل جول کر کے اچھے طریقے سے رہنے کو جائز کر دیا، اور اس پر ان کے لیے بڑا اجر بھی تیار کیا ہے، اگر اللہ چاہتا تو ان پر تنگی کر دیتا، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا **(لَاَعْنَتَكُمْ) "وہ تمھیں مشکل میں ڈال سکتا تھا"**، یعنی یتیم کی کفالت میں، اور اگر یتیموں کا کچھ مال لے کر ان کے ساتھ اکٹھے رہتے، تو ان کو شدید سزا دیتا۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے کاموں پر غالب ہے، اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، وہ اپنے ہر ہر کام میں اور حکم میں حکمت بالغہ رکھتا ہے: **اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ** "یقیناً اللہ کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ہے"۔

فہرست

# آیئے ہم ہر عمل میں اللہ سبحانہ وتعالی کی رضا کی جستجو کریں تاکہ ہر عمل اللہ سبحانہ وتعالی کے حکم کے مطابق اپنا مقصد پورا کرے

**مصعب عمیر - پاکستان**

اس وقت دین پر عمل پیرا ہونے میں ایک مشکل یہ ہے کہ ہم اس بارے میں واضح نہیں ہیں کہ ہمارے ہر ہر عمل کا مقصد کیا ہے اور اس عمل سے کیا ہدف حاصل ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی مشکل ہے جس نے بہت ساری پریشانیوں کو جنم دیا ہے۔ کچھ لوگ اپنی خواہشات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسلام کا کچھ حصہ اپنا لیتے ہیں ۔ کچھ لوگ اپنی خواہشات اور رجحانات کے حق میں اسلام کے مبہم حوالے اور توجیجات پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کچھ لوگ تقدیر کا لکھا کہہ کر سپر اندازی کی کیفیت میں دنیا کو ترک کر کے انفرادی عبادات پر توجہ دیتے ہیں، حتیٰ کہ وہ اپنے کنبے کو نان نفقہ فراہم کرنے کے فرض کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنی سستی، بے حسی اور کاہلی کے حق میں مذہب سے دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اعمال کو محض رسومات کے طور پر بغیر کسی مقصد کے ادا کرتے ہیں۔ کچھ لوگ مغربی افادیت پسندی (utilitarianism) کے زیرِ اثر مادی فوائد کی بہتات میں اس قدر مگن ہو جاتے ہیں کہ ان کے خاندان اور دینی رجحان متاثر ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ وہ اس مادی فائدے کی جستجو میں اپنے اخلاق اور عبادات کو تباہ کر لیتے ہیں۔ کچھ لوگ عبادات میں ریاکاری کرتے ہیں۔

عمل کے مقصد اور ہدف کو نہ سمجھنا دیمک کی طرح ہے جو ہمارے اچھے اعمال کو کھا جاتی ہے اور ہمیں اس زندگی اور آخرت میں برباد کر دیتی ہے۔ یہ مرض ہمارے نوجوانوں اور بڑوں کے ساتھ ساتھ بزرگوں کو بھی لاحق ہے، یہ تعلیم یافتہ اور ان پڑھ دونوں کے لیے مشکلات کا باعث ہے، دولت مندوں کے ساتھ ساتھ مشکلات اور قرضوں سے دوچار غریب لوگ بھی اس سے دوچار ہیں۔ یہ ایک ایسی مصیبت ہے جس کا واحد علاج صرف وحی کے مطابق توجہ، غور وفکر، محاسبہ اور اصلاح سے کیا جاسکتا ہے۔

ہمارے ہر عمل کا مقصد صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے، اور کچھ نہیں۔ لہذا چاہے ہم نماز پڑھیں، اسلامی علوم حاصل کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں، اسلام کے ذریعہ حکمرانی کریں، اللہ کی راہ میں جہاد کریں، کسی انسان کی جان بچائیں، چھوٹے بچوں کی پرورش کریں، عمر رسیدہ، کمزور اور بیمار والدین کی دیکھ بھال کریں، کاروبار میں دیانت دار بنیں، جانوروں کے ساتھ نیک سلوک کریں، تجارت کریں، زمین کاشت کریں یا صنعتی پیداوار حاصل کریں، یہ سب ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے کرتے ہیں۔ پس ہم اللہ کے غضب سے اسی صورت بچ پائیں گے جب ہم اس کے اوامر ونواہی کی پابندی کریں۔ لہذا ہم اپنے تمام اعمال وحی یعنی قرآن کریم اور سنتِ مبارکہ کے مطابق سرانجام دیتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۔ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ** **"ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس طرف بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ان میں فیصلہ کردیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ جو بھی اللہ تعالیٰ کی، اس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری کریں، خوف الٰہی رکھیں اور اس کے عذابوں سے ڈرتے رہیں، وہی نجات پانے والے ہیں"** (سورہ النور: 51-52)۔ مسلمان کا مقصد ہے کہ وہ دنیاوی فوائد حاصل کرتے وقت اللہ کی رضا کو پیشِ نظر رکھے اور اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ** **"اور آپ ﷺ ان کے معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی فیصلہ کریں، ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں کہ کہیں یہ آپ کو اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ کریں"** (سورہ المائدہ: 49)۔ لہذا بحیثیت مسلمان ہمیں عمل کرنے سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ یہ عمل اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اوامر ونواہی کے مطابق ہے یا اس کے منافی ہے۔

یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے جس نے ہمارے اندر فطری رغبت پیدا کی ہے کہ ہم کسی اپنے سے طاقتور ہستی کی عبادت کریں، کمائی اور نفع سے مال و دولت کو حاصل کریں، اپنے خاندان کی پرورش کریں، شریک حیات سے صحبت

رکھیں، بچوں کی پرورش کریں اور بوڑھے والدین کی دیکھ بھال کریں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان فطری رغبتوں کو تسلی بخش انداز میں پورا کرنے کے لیے اوامر و نواہی نازل کیے، جن کے ذریعے بہترین شخصیات اور اعلیٰ درجے کا معاشرہ وجود پذیر آتا ہے جو سکون اور اطمینان سے مالا مال ہوتا ہے۔

جہاں تک انفرادی عبادات کا تعلق ہے تو اسلامی احکامات کے مطابق انہیں سرانجام دینے سے روحانی قدر (Spiritual Value) حاصل ہوتی ہے اور خشیتِ الٰہی اور تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ لہذا علم کی تلاش کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ** **"اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں واقعی اللہ تعالیٰ زبردست بڑا بخشنے والا ہے"** (سورۃ الفاطر: 28)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: ليس العلم عن كثرة الحديث ، ولكن العلم عن كثرة الخشية "علم تقریر کی کثرت سے نہیں بلکہ خوف (خشیت) کی کثرت ہے"۔ درحقیقت، جو شخص خالصتاً اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے اسلام کے کسی بھی حصے کا مطالعہ کرتا ہے، وہ اس کی حکمت اور ہدایت کے سامنے عاجزی محسوس کرتا ہے جو اس کی خشیتِ الٰہی اور تقویٰ میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ رمضان کے روزے صرف کھانے پینے سے پرہیز کرنے کا معمول نہیں بلکہ یہ تقویٰ بڑھانے کا ذریعہ ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** **"اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا لکھ دیا گیا ہے، جس طرح تم لوگوں سے پہلے لوگوں پر لکھا گیا تھا، تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو"** (سورۃ البقرۃ: 183)۔ پس جو خالصتاً اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے روزہ رکھتا ہے وہ تقویٰ میں بڑھتا ہے اور اللہ کے فرمانبردار بندے کی نمایاں حیثیت پاتا ہے، یہ ایسی نعمت ہے جو رمضان کی برکتوں کے دوران بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

عبادات کے اعمال کو ادا کرتے وقت، ہم پر لازم ہے کہ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کے ذریعے روحانی قیمت کے حصول کو ہی ہدف بنائیں، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ ریاکاری اس وقت ہوتی ہے جب کوئی شخص عبادات کے ذریعہ لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے جبکہ ان اعمال کو خالص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہونا چاہئے، یہ زبان یا ہاتھ پاؤں کے اعمال نہیں بلکہ دل کے اعمال ہیں۔ لہذا ریاکاری کے معاملے میں یہ عمل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قریب ہونے کی بجائے، لوگوں کی خاطر کیا جاتا ہے۔ اگر اس عمل کا مقصد اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور لوگوں کے مابین مشترک ہو تو

پھر اس نیت کے ساتھ یہ فعل سرانجام دینا حرام ہے، اور یہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے، اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا: **الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ "جو ریاکاری کرتے ہیں"** (سورہ الماعون: 6)۔ امام طبری نے اس آیت پر تبصرہ کیا ہے کہ: الذين هم يراءون الناس بصلاتهم إذا صلوا, لأنهم لا يصلون رغبة في ثواب, ولا رهبة من عقاب, وإنما يصلونها ليراهم المؤمنون فيظنونهم منهم "وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ لوگ انھیں نماز پڑھتا ہوا دیکھیں، وہ ثواب کی خواہش اور عذاب کے خوف سے نماز نہیں پڑھتے بلکہ وہ اس لیے نماز پڑھتے ہیں تاکہ لوگ انہیں دیکھیں اور ان کے بارے میں سوچیں"۔ امام بخاری نے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث جندب سے روایت کی ہے: **مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللَّهُ بِهِ وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللَّهُ بِهِ "اگر کوئی لوگوں کو سنانے کے لیے کام کرتا ہے تو اللہ اس کا برا عمل سب لوگوں کو سنوائے گا اور اگر کوئی لوگوں کو دکھانے کے لیے کام کرتا ہے تو اللہ اس کا برا عمل سب لوگوں کو دکھائے گا"**۔

لہٰذا ہم ذہن نشین کرلیں کہ مساجد میں ہماری نماز صرف اللہ کے لیے ہے تاکہ ہمارے تقویٰ میں اضافہ ہو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **يَكْشِفُ رَبُّنَا عَنْ سَاقِهِ فَيَسْجُدُ لَهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ، وَيَبْقَى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ فِي الدُّنْيَا رِئَاءً وَسُمْعَةً، فَيَذْهَبُ لِيَسْجُدَ فَيَعُودُ ظَهْرُهُ طَبَقًا وَاحِدًا "ہمارا رب اپنی پنڈلی ظاہر کرے گا، اور پھر وہ تمام مومن مرد اور عورتیں اس کے سامنے سجدہ کریں گے جو دنیا میں سجدہ کرتے تھے، لیکن ایسے لوگ باقی رہ جائیں گے جو شہرت حاصل کرنے کے لیے (ریاکاری کرتے ہوئے) سجدہ کرتے تھے۔ ایسے لوگ (قیامت کے دن) سجدہ کرنے کی کوشش کریں گے لیکن ان کی پیٹھ کسی ہڈی کی طرح سخت ہوگی"** (بخاری)۔ تو آئیں ہم اپنے شریک حیات یا بچوں کے بھی علم میں آئے بغیر تہجد ادا کریں تاکہ ریاکاری اور ہمارے درمیان بڑی دیوار کھڑی ہو جائے۔ آیئے ہم دھیان رکھیں کہ علم کا حصول صرف اللہ سبحانہ وتعالی کی خشیت بڑھانے کے لیے ہو، نہ کہ بحث ومباحثے میں اپنا لوہا منوانے کیلئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيَصْرِفَ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ فَهُوَ فِي النَّارِ "جو شخص احمقوں سے بحث کرنے یا علمائے کرام کو دکھانے یا لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے علم حاصل کرتا ہے، وہ جہنم میں ہوگا"** (ابنِ ماجہ)۔ آیئے ہم حج کی عبادت کے بارے میں محتاط رہیں کہ یہ صرف اللہ سبحانہ وتعالی کا

قرب حاصل کرنے کے لیے ہے نہ کہ ہم اس کی وجہ سے گھمنڈ اور فخر کریں، گویا یہ کوئی تقویٰ کا تمغہ ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک چادر پہن کر ایک پرانی زین پر حج کیا، جس کی قیمت چار درہم یا اس سے کم تھی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا : **اللَّهُمَّ حِجَّةٌ لاَ رِيَاءَ فِيهَا وَلاَ سُمْعَةَ "اے اللہ، ایک ایسا حج جس میں نہ کوئی ریاکاری ہے، نہ ہی طلبِ شہرت ہے"** (ابن ماجہ)۔ اسی طرح ہماری افواج کو بھی دنیاوی فوائد سے قطع نظر، اللہ کی رضا کے حصول کے لیے لڑنا چاہیے۔ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا، "ایک آدمی مالِ غنیمت کے لیے لڑتا ہے، ایک شہرت کے لیے اور ایک دکھاوے کی خاطر لڑتا ہے، ان میں سے کون اللہ کی راہ میں لڑا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، **مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ "جو اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ کا دین (یعنی اسلام) برتر ہو جائے، وہی اللہ کی راہ میں لڑتا ہے"** (بخاری)۔

جہاں تک رعایا کی بات ہے تو وہ حکمران کا محاسبہ کریں تاکہ وہ اللہ کا قرب حاصل کر سکیں، صرف اللہ سے ڈرتے ہوئے، بغیر کسی انسان کے خوف یا ہچکچاہٹ کے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ "بہترین جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے"** (ابو داؤد)۔ واقعی یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا خوف ہی ہے جو محاسبہ کرتے وقت طاقتور، سفاک اور ظالم کے سامنے کھڑا ہونے کا حوصلہ دیتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ "کیا تم ان لوگوں سے ڈرتے ہو؟ اللہ ہی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کا ڈر رکھو بشرطیکہ تم ایمان والے ہو"** (سورہ التوبہ: 13)۔ اور جہاں تک حکمران کی بات ہے تو وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکمرانی کر کے اللہ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ اسے اقتدار اور رتبے کے جال سے اپنے آپ کو بچانا ہوگا کہ کہیں وہ اسلام کو نظرانداز کر کے اللہ کے غضب کا شکار نہ ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إِنَّ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِمَامٌ عَادِلٌ وَأَبْغَضَ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ وَأَبْعَدَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِمَامٌ جَائِرٌ "بے شک عادل حکمران قیامت کے دن اللہ کے نزدیک لوگوں میں سے سب سے زیادہ محبوب اور مقام میں قریب ترین ہو گا۔ اور ظالم حکمران لوگوں میں سے اللہ کے نزدیک سب سے قابلِ نفرت اور مقام میں سب سے دُور ہو گا"** (ترمذی)۔ حکمران کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو خوش کرنے کی خواہش میں حق کو ترک کرنے کی بجائے حق پر قائم رہ کر، اس پر عمل

پیرا ہو کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قرب حاصل کرے۔ عائشہؓ نے کہا: مَنِ الْتَمَسَ رِضَاءَ اللَّهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللَّهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَاءَ النَّاسِ بِسَخَطِ اللَّهِ وَكَلَهُ اللَّهُ إِلَى النَّاس "جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے لوگوں کے غضب کی پرواہ نہیں کرے گا، اللہ اسے لوگوں سے بچالے گا۔ اور جو کوئی لوگوں کی خوشنودی کی خاطر اللہ کو ناراض کرے گا، اللہ اسے لوگوں کے سپرد کردے گا" (ترمذی)۔

روحانی قیمت کی اس طرح دیکھ بھال کرنا ایک مسلمان کی شخصیت کو اعلیٰ درجے کی شخصیت بنا دیتا ہے، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قرب اختیار کرتی ہے اور اس کی فرمانبرداری کا لحاظ رکھتی ہے۔ اس طرح کا مسلمان گمراہی کی دعوت دینے والوں کے ذریعے مغلوب نہیں ہوتا۔ روحانی قیمت کی اس طرح کی دیکھ بھال، اسلامی معاشرے کو بلند درجے والا بنا دیتی ہے، جہاں اللہ رب العزت کا ذکر، حمد و ثنا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا ماحول موجود ہوتا ہے۔ یہ سیکولر معاشرے کے بالکل برعکس ہے جو روحانی خلا کے گھپ اندھیرے میں ڈوبا ہوتا ہے۔

جہاں تک مالی لین دین کا تعلق ہے کہ جس سے کمائی کر کے ہم مادی قیمت Material value حاصل کرتے ہیں تو یہ بھی اللہ کے احکامات کو نافذ کرکے ہی حاصل ہوتی ہے، اور اس میں ہمارا مقصد اللہ کی رضا کا حصول ہوتا ہے۔ ہمارا دینِ اسلام ایک سیکولر مذہب نہیں جو صرف انفرادی عبادت کے متعلق رہنمائی کرے بلکہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو ہمارے تمام معاملات کو منظم کرتا ہے۔ لہٰذا جب ملازم کی ضرورت ہو تو اسلام ہمیں اجرت مقرر کرنے کا حکم دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إِذَا اسْتَأْجَرْتَ أَجِيرًا فَأَعْلِمْهُ أَجْرَه "جب تم مزدور کی خدمات حاصل کرو تو اس کی اجرت طے کرو"** (نسائی)۔ درحقیقت، اسلام کے احکامات کے مطابق ملازم کی خدمات حاصل کرنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے ہے۔ اس عمل کا تقاضا ہے کہ اس کا ہدف پورا کیا جائے جو مادی فائدہ کا حصول ہے۔ پس ملازم کو اس کا معاوضہ ادا کرنا ہوگا، بصورت دیگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کی طرف سے دعویٰ کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **قَالَ اللَّهُ ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِ أَجْرَه "اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے، قیامت کے دن تین (قسم کے) لوگوں کے خلاف میں خود مدعی ہوں گا؛ ایک جو میرا نام لے کر عہد کرے اور پھر اسے توڑ دے۔ جو آزاد شخص کو غلام کے طور پر بیچ دے اور اس کی قیمت کھالے۔ اور جو کوئی**

**مزدور کی خدمات حاصل کرے اور اس سے پورا کام لے، مگر اس کو اس کی اجرت نہ دے"** (بخاری)۔ زراعت کے شعبے میں، اسلام بنجر زمین کو کاشت کرنے کے سبب حاصل ہونے والے مال کو ایک مادی قیمت گردانتا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَه "اگر کوئی بنجر زمین کاشت کرے تو وہ اسی کی ہے"** (ابو داؤد)۔ صنعت و تجارت میں، اسلام نے کمپنیاں بنانے کی اجازت دی اور اسی عمل کے تحت ہی مسلمان منافع کی مادی قیمت کو حاصل کرتے ہیں۔ مضاربہ کمپنی کے بارے میں، عبد الرزاق نے الجامع میں روایت کیا کہ امام علیؓ نے فرمایا: **الْوَضِيعَةِ عَلَى الْمَالِ ، وَالرِّبْحُ عَلَى مَا اصْطَلَحُوا عَلَيْهِ** "نقصان سرمایہ کاری کے حساب سے ہے اور منافع ان کے مقرر کردہ (شرح) کے مطابق ہے"۔ لہٰذا، مسلمان کمپنی میں ایک شراکت دار بنتا ہے تاکہ وہ منافع کمائے اور طے شدہ شرح کے مطابق اپنا حصہ حاصل کرے اور یہ بھی مادی قیمت ہے۔

اس طرح جب ہم تجارت کرتے ہیں تو ہم مادی قیمت حاصل کرنے کا لحاظ رکھتے ہیں اور ہم اس میں کوتاہی نہیں کرتے۔ رزق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہونے کے باعث ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ جاتے اور نہ ہی سُست روی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ درحقیقت رزق تنہا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہی ہے، تاہم رزق کے لیے جدوجہد کرنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جانا چاہیے۔ آیئے ہم رزق کے حصول کے لیے کوشش کرنے کے حکم کو سمجھیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿**هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الأَرْضَ ذَلُولاً فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِه**﴾ **"وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو پست و مطیع کردیا تاکہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو اور اللہ کی روزیاں کھاؤ"** (سورہ الملک: 15)۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿**فَإِذَا قُضِيَتْ الصَّلاَةُ فَانتَشِرُوا فِي الأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّه**﴾ **"پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو"** (سورہ الجمعہ: 10)۔

اللہ رب العزت کی رضا حاصل کرتے ہوئے جب ایک مسلمان مادی قیمت کے حصول کو ہدف بناتا ہے تو وہ ایک نتیجہ خیز شخصیت بن جاتا ہے۔ وہ شخص اپنے رب کی رضا کے حصول کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اپنے گھر والوں کی ضروریات اور آسائشوں کی فراہمی کے لیے پوری کوشش کرتا ہے۔ یہ وہ شخصیت نہیں ہے جو سست اور کاہل ہو، بغیر کسی دھیان کے قرض لے اور بغیر غور و فکر کیے صدقہ مانگتا پھرے۔ مادی قیمت کے لیے اس طرح کی دیکھ بھال اسلامی

معاشرے کو دولت، خوشحالی اور قابلیت والا معاشرہ بناتی ہے، جہاں غریب، محنت کش اور مقروض افراد کی ضروریات کا خیال رکھا جاتا ہے۔ یقیناً، خلافت کے دور میں اسلامی سرزمین اپنی عظیم مادی ترقی کی وجہ سے رشک کا باعث تھی۔

جہاں تک انسانوں کی دیکھ بھال کی بات ہے، تو اسلام کے احکامات اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ ہم انسانی قیمت Humanitarian Value کو اللہ کی رضا کے مطابق حاصل کریں، جیسے انسانی جان بچانا، اور اسی طرح دوسرے انسانوں کی دیکھ بھال کرنا اور ان سے ہمدردی کرنا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رنگ، نسل یا مذہب سے بالاتر ہو کر انسانی زندگی کو بچانے کا حکم دیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا** **"اور جس نے کسی ایک کی جان بچائی، اس نے گویا تمام انسانیت کو بچایا"** (سورہ المائدہ: 32)۔ ابنِ کثیر نے اس آیت کے متعلق مجاہد کا یہ قول بیان کیا: أنجاها من غرق أو حرق أو هلكة "ڈوبنے، جلنے یا تباہ ہونے سے بچاؤ"۔

جہاں تک شادی کے بندھن کی بات ہے تو اسلام نے ہمیں اپنے شریکِ حیات کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **وَمِنْ ءَايَـٰتِهِۦٓ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا لِّتَسْكُنُوٓا۟ إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً** **"اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی"** (سورہ الروم: 21)۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا، **خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِم "تم میں سے بہترین وہ ہیں جو اپنی خواتین کے ساتھ بہترین ہیں"** (ابن ماجہ)۔ لہذا ہم شادی اور شریک حیات کے ساتھ نیک سلوک، محبت اور شفقت کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور جب ہم زیادہ بچوں کی خواہش کے حکم کو پورا کرتے ہیں تو انسانی قدر Humanitarian Value حاصل کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ "ان خواتین سے شادی کرو جو محبت کرنے والی اور بہت زرخیز ہیں، کیونکہ میں تمہاری بدولت تمام امتوں میں تعداد کے لحاظ سے بڑھ جاؤں گا"** (ابوداؤد)۔ ہم اپنے بہن بھائیوں اور اولاد سے برتاؤ میں خیال رکھتے ہیں، خواہ وہ مرد ہوں یا عورت۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ أَوِ ابْنَتَانِ أَوْ أُخْتَانِ فَأَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ وَاتَّقَى اللَّهَ فِيهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةَ** "جس کی تین بیٹیاں، یا تین بہنیں، یا دو بیٹیاں، یا

**دو بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھے اور ان کی متعلق اللہ کا خوف کھائے تو اس کے لیے جنت ہے" (ترمذی)**۔ اسلام نے اولاد کو کسی بھی عمر اور بیماری میں والدین کی دیکھ بھال کرنے کا حکم دیا ہے۔ ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! لوگوں میں سے کون اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے کہ میں اس سے اچھا سلوک کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ ثُمَّ أَبُوكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ أَدْنَاكَ "تمہاری والدہ، ایک بار پھر تمہاری والدہ، پھر تمہاری والدہ، پھر تمہارے والد، پھر تمہارے قریبی رشتے دار، قربت کے حکم کے مطابق" (مسلم)**۔ ہمیں رشتے ناطے برقرار رکھنے، رشتے داروں کا حال چال پوچھنے اور ان کی ضرورتوں کی دیکھ بھال کرنے کا دھیان رکھنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَأَخَذَتْ بِحَقْوِ الرَّحْمَنِ فَقَالَ لَهَا مَهْ. قَالَتْ هَذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ. قَالَ أَلاَ تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ. قَالَتْ بَلَى يَا رَبِّ. قَالَ فَذَاكِ لَكِ "اللہ نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا، اور جب یہ کام ختم ہوا تو رحم نے اٹھ کر اللہ کو پکڑ لیا، تو اللہ نے کہا، کیا بات ہے؟" اس پر اس نے کہا، 'میں ان لوگوں سے آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں جو رشتے داروں سے تعلق توڑ دیتے ہیں۔ اس پر اللہ نے فرمایا: کیا تم راضی ہو گے، اگر میں رشتے جوڑنے والے پر کرم کروں اور جو رشتے توڑے اس پر سختی کروں؟ اس پر رحم نے کہا، ہاں، اے میرے رب! تو اللہ نے فرمایا: تمہارے لیے پھر ایسا ہی ہے"** (بخاری)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلَكِنْ الْوَاصِلُ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا "رشتے ناطے جوڑنے والا وہ نہیں جو ادلے کا بدلہ کرتا ہے، بلکہ وہ شخص ہے جو رشتہ داری کو برقرار رکھتا ہے چاہے دوسرا شخص رشتہ توڑ ڈالے"** (بخاری)۔

اہل خانہ اور رشتہ داروں سے متعلق اسلامی قوانین کی پابندی کرنے کی بدولت ہم ایسی شخصیت نہیں بنتے جو صرف تجارت، منافع اور کمائی میں گم ہو۔ ہم انفرادیت سے مغلوب نہیں ہوتے اور ہمارا خاندانی اور اجتماعی رجحان مضبوط ہوتا ہے۔ ہمیں تمام معاملات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے ذریعے انسانیت، اپنے محلے اور اپنے کنبہ کے حقوق کو اچھی طرح نبھانا چاہیے تاکہ ان سے متعلق شرعی احکامات پر عمل کر کے ہمیں انسانی قیمت حاصل ہو سکے۔ مسلمان اپنے سے پہلے اپنے آس پاس کے لوگوں کی پرواہ کرتے ہیں، دوسروں سے اپنا حق لینے سے پہلے دوسروں کا حق

ادا کرتے ہیں۔ اسلام کے احکامات کے ذریعے انسانی قیمت حاصل کرنے والے معاشرے میں شوہر اور بیوی کے مابین تعلق، باہمی حقوق کے لیے مقابلہ کرنے والے دو افراد کا نہیں بلکہ ایک مشترکہ شراکت کا ہوتا ہے جہاں وہ ایک دوسرے کے لیے راحت اور محبت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ بچوں کی پرورش کو انفرادی خواہشات پر دخل اندازی نہیں سمجھا جاتا بلکہ بچے کی اچھی نشو نما اور دیکھ بھال کا ایک موقع سمجھا جاتا ہے۔ بزرگ والدین کو بوجھ نہیں سمجھا جاتا بلکہ ان کی خدمت کے ذریعے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بیشمار انعامات کا حقدار بنا جاتا ہے۔ لہٰذا اسلامی معاشرہ میں خاندانی اکائی ایک قلعہ کی مانند ہے، بر خلاف سیکولر معاشرے کے، جہاں انسان کے رشتے اور دیکھ بھال کے تعلقات خطرناک حد تک نظر انداز ہوتے ہیں۔

جہاں تک اخلاق کے حصول کی بات ہے تو مسلمان اخلاقیات سے متعلق شرعی احکامات کی پابندی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے کرتے ہیں۔ اسلام ہمیں اخلاقی قدر Moral Value کے حصول کا حکم دیتا ہے مثلاً ایماندار ہونا اور بااعتماد ہونا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا "تم میں سب سے اچھے شخص وہ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں"** (بخاری)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **أَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ اَلْجَنَّةَ تَقْوى اَللَّهِ وَحُسْنُ اَلْخُلُق "جو چیز سب سے زیادہ جنت میں داخل کرے گی وہ اللہ کا خوف اور اچھے اخلاق والا ہونا ہے"** (ترمذی)۔ پس ہم سچ بولتے ہیں کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں سچ بولنے کا حکم دیا ہے اور ہم امانت میں خیانت نہیں کرتے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے امانتوں کو قائم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ ہم کسی مادی فائدے کی وجہ سے اچھے اخلاق نہیں اپناتے کہ لوگ کاروبار کے لیے ہمیں ترجیح دیں یا وہ ہمیں عہدوں پر منتخب کریں۔ یہی فرق ہے کہ ایک شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے ایمانداری کو اپناتا ہے اور دوسری جانب ایک شخص اپنے مفادات کی خاطر ایسا کرتا ہے۔ پہلا شخص حقیقی دیانتدار ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں دیانتدار ہونے کا حکم دیا ہے جبکہ دوسرے شخص کی دیانتداری دراصل اپنے مفادات کی خاطر داری ہے جو مفاد پرستی کے مغربی فلسفے پر مبنی ہے۔ دیانتداری کوئی پالیسی نہیں ہے بلکہ یہ خالقِ کائنات کا حکم ہے جو ہمیں لازماً پورا کرنا چاہئے۔ ہمیں تب بھی ایمانداری کا مظاہرہ کرنا چاہیے جب اس کے نتیجے میں مادی فائدے کی بجائے نقصان ہو۔ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے اخلاق اپناتے ہیں یہاں تک کہ ہم اخلاقی قدر کو حاصل کر لیں جو سچا وایماندار ہونا ہے۔ رسول

ﷺ نے فرمایا: **عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صِدِّيقًا وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَّابًا** **"سچائی اختیار کرو کیونکہ سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی یقیناً جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ ایک شخص سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کی تلاش میں رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کے پاس سچا لکھ دیا جاتا ہے۔ جھوٹ سے پرہیز کرو۔ کیونکہ بے شک جھوٹ فسق وفجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسوق فجور آگ کی طرف لے جاتا ہے۔ ایک شخص جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ میں بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے پاس جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے"** (ترمذی)۔ لہذا ایک کاروبار کرنے والا اپنے کاروبار میں ایماندار ہوتا ہے چاہے اس سے مادی نقصان ہو، جیسے وہ سامان بیچتے وقت مال میں موجود کسی خرابی کے بارے میں بتاتا ہے یا ایسے شخص کو چیز کی مارکیٹ ویلیو سے آگاہ کرتا ہے جو اس سے واقف نہ ہو۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی فرمانبرداری کے نتیجے میں حاصل ہونے والی اخلاقی اقدار کا حصول یہ یقینی بناتا ہے کہ مسلمان اعلیٰ درجے کی شخصیت میں ڈھل جائیں جو وحی پر مبنی اخلاقیات سے آراستہ ہو۔ مسلمان ایمان دار ہوتا ہے دھوکے باز نہیں، مسلمان فراخ دل ہوتا ہے کنجوس نہیں، وہ نرم دل ہوتا ہے سخت خُو نہیں، وہ خوش مزاج ہوتا ہے بدمزاج نہیں، وہ شکر گزار ہوتا ہے ہر وقت شکایت کرنے والا نہیں۔ وہ مومنوں کے بارے میں اچھا گمان رکھتا ہے اور شکی نہیں ہوتا۔ اس کی اخلاقیات کی پیروی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے لیے ہوتی ہے، محض اخلاقیات کی خاطر نہیں، لہذا اس کی جستجو مستقل و مسلسل ہوتی ہے۔ اس کی کوشش اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اجر کے لیے ہوتی نہ کہ لوگوں کی طرف سے مادی فائدہ یا تعریف کے لیے، لہذا اس کی جستجو میں منافقت یا دوغلے معیارات نہیں ہوتے۔ اس طرح یہ سب ایک ایسے معاشرے کا حصہ بن جاتے ہیں جو فراخ دلی، ایمانداری، سکون اور اعتماد سے بھرا ہوا ہوتا ہے، ایک ایسا معاشرہ جس میں رہنا خوشی کا باعث ہے۔

بے شک دینِ اسلام بہترین شخصیات اور متوازن معاشرہ تیار کرتا ہے۔ تیرہ سو سالہ سنہرا اسلامی دور اس بات کا گواہ ہے کہ اسلام نے بھرپور انداز سے انسانوں کا نظام سنبھالا۔ اسلام نے نمایاں شخصیات کی صفوں کی صفیں تیار کیں،

ایک ایسا معاشرہ جس میں ہمدردی، سکون، روحانیت، صنعتی ترقی اور خوشحالی میسر آئی۔ آج جب مسلم امت زوال سے واپسی کے سفر کی طرف اٹھ کھڑی ہوئی ہے اور خلافت کی واپسی کی منتظر ہے، آیئے ہم اپنے ہر عمل کو غور سے پرکھیں، اس میں کمال کو یقینی بنائیں، اس کے مطلوبہ ہدف کو پورا کریں تاکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا حاصل کر سکیں۔ بے شک وہ دن زیادہ دور نہیں جب ہر عمل اس کے کرنے والے کو دکھا دیا جائے گا، چاہے کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، جب ترازو میں اچھے اعمال کا وزن بڑی راحت بخشے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَه "پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا"**(سورہ الزلزال: 7)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **وَمَنْ خَفَّتْ مَوٰزِينُهُۥ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ فِى جَهَنَّمَ خَـٰلِدُونَ "اور جن کے ترازو کا پلڑا ہلکا ہو گیا یہ ہیں وہ جنہوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا، جو ہمیشہ کے لیے جہنم واصل ہوئے"**(سورۃ المومنین: 103)۔

فہرست

# اسلام میں دولت کی تقسیم

انجینئر معیز

جب بھی معیشت کے انتظام کی بات کی جائے تو یہ بنیادی سوال اٹھتا ہے کہ آخر معاشی نظام سے کیا حاصل کرنا مقصود ہے؟ آخر یہ معاشی مسئلہ کیا ہے یا وہ کونسا معاشی مقصد ہے جو ایک معاشی نظام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام، معاشرے یا قوم کی دولت میں اضافے کو ہی معاشی نظام کا مقصد گردانتا ہے۔ پس معاشی منتظمین کے لیے چیلنج یہ ہے کہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ معاشرے میں دولت میں اضافہ ہوتا رہے۔ اس نقطۂ نظر کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ سرمایہ دارانہ معیشت دان وسائل کی کمی کو معاشرے کی معاشی فلاح و بہبود کی رکاوٹ کے طور پر دیکھتے ہیں جبکہ معاشرے کی ضروریات لامحدود ہیں۔ وہ معاشرے کے وسائل کی ضروریات اور ان کی کھپت کو لامحدود سمجھتے ہیں۔ اور اس طرح یہ حل پیش کرتے ہیں کہ ایک معاشی انتظامی حکمتِ عملی ہو جو مسلسل وسائل کو بڑھانے کی جدوجہد کرتی رہے اور اس طرح معاشرے کی دولت بڑھتی رہے۔ مقصد معاشرے کی دولت میں اضافہ کرنا ہے اور ایک معاشی انتظامیہ کتنی اچھی ہے، اسے ایک مخصوص سال میں معاشرے کی طرف سے پیدا ہونے والی دولت کی رفتار اور مقدار سے ماپا جاتا ہے۔

تاہم معاشرے میں پیدا ہونے والی کل دولت یا وسائل اس بات کی عکاسی نہیں کرتے کہ یہ دولت کس طرح استعمال کی گئی یا آیا کہ معاشرے میں پیدا ہونے والے وسائل معاشرے کی مخصوص ضروریات کو پورا کرنے کے قابل بھی تھے۔ مثال کے طور پر کیا معیشت میں پیدا ہونے والی دولت میں اتنے وافر زرعی وسائل موجود تھے، جو کہ آبادی کی خوراک اور لباس کی ضروریات کو پورا کر سکتے، یا تو زرعی وسائل کی براہِ راست پیداوار کے ذریعے یا دوسری اشیاء اور خدمات کی پیداوار کے ذریعے کہ جن کے بدلے خوراک اور لباس کو حاصل کر کے ان ضرورتوں کو پورا کیا جا سکے؟ کیا توانائی کے وہ کافی وسائل پیدا کئے گئے جو توانائی کی بلا تعطل فراہمی کی ضمانت دے سکیں، چاہے یہ گھروں اور صنعتوں کے لیے بجلی اور گیس ہو یا معاشرے میں نقل و حمل اور صنعتی ضروریات کے لیے تیل اور گیس ہو؟ کیا معاشرے کی

عام صحت کی ضروریات کو پورا کرنے یا صحت کی ہنگامی صورتحال کو پورا کرنے کے لیے خاطر خواہ وسائل دستیاب تھے؟ کیا معاشرے کی دفاعی ضروریات یا بنیادی ڈھانچے کی ضروریات یا رہائشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی وسائل دستیاب تھے؟ لہٰذا معاشی مسئلہ در حقیقت معاشرے میں پیدا ہونے والی دولت کی مقدار نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ معاشرے کی مخصوص ضروریات پوری ہو پاتی ہیں یا نہیں۔ مسئلہ دراصل معاشرے میں پیدا ہونے والی دولت کی مقدار کا نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ یہ دولت کس طرح مخصوص ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مختص کی گئی ہے۔ چنانچہ اس طرح معاشی مسئلہ کو نئے سرے سے طے کرنے کی ضرورت ہے۔ مسئلہ وسائل کی کمی نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ آیا بنیادی انسانی ضروریات پر توجہ بھی دی گئی یا نہیں۔ وسائل اور دولت، بہرحال، وہ ذرائع ہیں جن سے انسانی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ مزید برآں، جب معاشرے کے بارے میں اجتماعی طور پر سوچا جائے تو جس طرح معاشرتی ضروریات جیسے نقل و حمل اور مواصلات کا بنیادی ڈھانچہ ہونا اہم ہیں اسی طرح مجموعی انسانی ضروریات جیسا کہ تعلیم، صحت اور تحفظ اور انفرادی انسانی ضروریات جیسے خوراک، لباس اور رہائش، کا پورا ہونا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا معاشی انتظامیہ کا ہدف یہ ہونا چاہیے کہ اس بات کی یقین دہانی ہو کہ افراد کے پاس اپنی بنیادی ضروریات جیسے خوراک، لباس اور رہائش کو پورا کرنے کے لئے مناسب معاشی وسائل موجود ہوں اور وہ بہتر زندگی گزارنے کے لیے بھی وسائل رکھتے ہوں، جیسے اپنی گاڑی ہونا، چھٹی کے دن تفریح سے لطف اندوز ہونا، بچوں کے لیے کھلونے خریدنا، تیز تر اور محفوظ مواصلات سے فائدہ اٹھانا، باہر کسی ریسٹورنٹ میں کھانا کھانا وغیرہ۔

ایک ایسے معاشی انتظامی نقطہ نظر، جو صرف معاشرے میں دولت کے اضافے پر توجہ مرکوز رکھتا ہے، سے ایک ایسے معاشی انتظامی نقطہ نظر کی طرف منتقلی جو افراد اور معاشرے کی ضروریات کو پورا کرنے کی بنیاد پر ہو، کے لئے ضروری ہے کہ افراد وہ معاشی وسائل رکھتے ہوں جو انہیں اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے چاہئیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اقتصادی نظام اس طریقے سے اقتصادی وسائل تک رسائی کو منظم کرنے کی کوشش کرے گا جو اس بات کو یقینی بنائے کہ یہ وسائل افراد کو ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے دستیاب ہوں۔ پس اس طرح معاشی مسئلہ، اصل میں ایک بہتر اور منظم طریقے سے وسائل کی تقسیم کا ہے نہ کہ معاشرے میں دولت کے اضافے کا۔ معاشرے

کی دولت میں اضافے کی ضرورت فطری طور پر معاشرے کی ضروریات کے مطابق پوری ہو گی۔ مثال کے طور پر، ایک ایسا معاشرہ جو اپنی فوجی صلاحیتوں کو بڑھانا چاہتا ہے، فطری طور پر ایسے وسائل پیدا کرے گا اور ان میں اضافہ کرے گا جن سے اس کی فوجی صلاحیتوں کو بڑھانے میں مدد ملے۔ اس طرح معاشرے کی دولت میں اضافہ، افراد اور معاشرے کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے وسائل کے حصول کا ایک فطری نتیجہ ہو گا۔

بڑھتی دولت اور وسائل اور ان کی افراد تک رسائی، تاکہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں، اس کو ممکن بنانا ہی وہ بنیادی معاشی مسئلہ ہے جو اس وقت مزید واضح طور پر ظاہر ہو جاتا ہے جب کوئی ذی عقل، ان معاشروں میں پیدا ہونے والی دولت کی وسیع تر عدم مساوات کا تجزیہ کرتا ہے جن معاشروں نے دولت اور وسائل کو بڑھانے کے لیے سرمایہ دارانہ معاشی نظام کو اپنایا۔ اکنامک پالیسی ادارہ، جولائی 2018 میں شائع ہونے والی اپنی رپورٹ، **"نیا سنہرا دور"** میں لکھتا ہے: "2015 میں، امریکہ کے چوٹی کے 1 فیصد خاندانوں نے اوسطاً جو کچھ کمایا وہ نچلے 99 فیصد سے 26.3 گنا زیادہ ہے، اور یہ 2013 کی بہ نسبت مزید اضافہ ہے جب انہوں نے 25.3 گنا زیادہ کمایا تھا"۔ آمدن اور دولت کی اتنی کثیر عدم مساوات کے نتیجے میں مغرب میں کچھ لوگ بائیں بازو کی سوشلسٹ تنظیموں کی جانب سے بھرپور حمایت شدہ، ٹیکس کی تقسیمِ نو پر مبنی پالیسیوں پر بحث کر رہے ہیں۔ تاہم، یہ نقطہ نظر مسئلہ کی اصل جڑ کی عکاسی نہیں کرتا، جو کہ پالیسی کا بنیادی ڈھانچہ ہے جو کہ دولت کی یکساں تقسیم کو یقینی بنانے کے بجائے دولت بڑھانے پر توجہ دیتا ہے۔ اس طرح کی تقسیمِ نو پر مبنی پالیسیاں، بائیں بازو کے سوشلسٹ جن کے بھرپور حامی ہیں، وہ بھی اس بنیادی نچوڑ کو حاصل کرنے میں ناکام رہی ہیں کہ کس طرح مؤثر طریقے سے معاشرے میں دولت کی تقسیم کی جائے۔

معاشرے میں دولت کی تقسیم قوانین اور نظام کے ذریعے ہوتی ہے جو افراد کی دولت تک رسائی کو منظم کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں، ایک معاشرے میں دولت کی تقسیم اسی بنیاد پر منظّم ہوتی ہے کہ کوئی فرد اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے دولت یا وسائل کا مالک کیسے بن سکتا ہے۔ پس اس طرح معاشرے میں دولت کی تقسیم کو دولت کی ملکیت کو منظم کرنے والے قوانین کے ذریعے یقینی بنایا جاتا ہے۔ کسی معاشرے میں اصول و قوانین اس معاشرے

کے دنیا کے بارے میں نقطہ نظر پر مبنی ہوتے ہیں جو کہ مختلف معاشروں کے اعتبار سے مختلف ماخذ سے پھوٹتے ہیں۔ اسلام میں، معاشرہ کے حوالے سے اصول و قوانین، قرآن و سنت سے اخذ کئے جاتے ہیں۔

اسلام نے معیشت کے انتظام کے لئے تفصیلی ہدایات دی ہیں۔ اسلام نے ملکیت کے شرعی ذرائع کی وضاحت کر کے معاشرے میں دولت کی تقسیم کو منظم کیا ہے۔ کوئی بھی فرد جو دولت کا مالک بننا چاہتا ہے وہ صرف اُن شرعی ذرائع سے ہی اس کا مالک بن سکتا ہے جو کہ قرآن و سنت میں بیان کئے گئے ہیں۔ اسلام کسی فرد کے حق میں ان وسائل کی ملکیت کو تسلیم نہیں کرتا اگر وہ وسائل شرعی اسلامی احکامات کے ذریعے حاصل نہ کیے گئے ہوں۔ لہٰذا اسلام اس دولت کی ملکیت کو تسلیم نہیں کرتا جو جوئے یا سود کے ذریعے کمائی گئی ہو، یا اسٹاک مارکیٹوں میں حصص کی فروخت یا ممنوعہ اشیاء مثلاً شراب یا خنزیر کی خرید و فروخت کے ذریعے حاصل کی گئی ہو۔ اسلام نے دولت پر مقدار کی حد مقرر کر کے دولت کے حصول کو محدود نہیں کیا ہے تاکہ معاشی سرگرمیوں میں جدت اور پُرجوش توانائی کی حوصلہ شکنی نہ ہو۔ نہ ہی اسلام نے ذاتی ملکیت کو منسوخ کرنے کی تلقین کی ہے جو افراد کو مال کی ملکیت کے اطمینان سے محروم کرتی ہے۔ دوسری طرف، اسلام نے ملکیت کی آزادی کے تصور کے ذریعے ملکیت کو غیر منظم چھوڑنے کا مغربی انداز بھی نہیں اپنایا، جس کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ معاشروں میں بڑے پیمانے پر دولت اور آمدنی میں عدم مساوات پیدا ہوئی ہے۔ اسلام نے مال کی ملکیت کے ساتھ ساتھ اس کے تصرف کو بھی منظم کیا ہے۔ کوئی بھی فرد صرف ان پانچ ذرائع کے ذریعے کسی مال کا مالک بن سکتا ہے جو شریعت نے بیان کئے ہیں۔ وہ صرف شریعت کے دیے گئے طریقہ کار کے ذریعے ہی مال کا تصرف کر سکتا ہے۔ صرف شریعت کے باضابطہ قوانین کے ذریعے ہی دولت کی گردش کی اجازت دے کر اسلام معاشرے میں دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بناتا ہے جو نہ ہی ملکیت کے حقوق سے محروم رکھ کر یا دولت کی ملکیت کی حد مقرر کر کے معاشی ترقی کی انسانی خواہشات و جذبات کو ختم کرتا ہے، اور نہ ہی اسلام دولت کو چند ہاتھوں میں ہی مرتکز رہنے کی اجازت دیتا ہے، اور اس طرح معاشرے میں دولت کی عدم مساوات کا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے۔

اسلام میں دولت کی تقسیم، قرآن و سنت سے اخذ کردہ شرعی ضوابط پر مبنی ہے۔ یہ شرعی ضوابط تین بنیادی اصولوں پر قائم ہیں؛ دولت کی ابتدائی ملکیت، دولت کا تصرف اور لوگوں کے درمیان دولت کی گردش کی حوصلہ افزائی کرنے والے مخصوص قوانین۔

دولت کی ابتدائی ملکیت کے اصول وہ ہیں جو اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ ابتداء سے دولت کی ملکیت کیسے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر روزگار جہاں انسان اپنی مشقت کے بدلے اُجرت کماتا ہے اور مال حاصل کرتا ہے، اسے ان شرعی ذرائع میں سے ایک سمجھا جاتا ہے جس کے ذریعے ابتدائی ملکیت حاصل ہوتی ہے۔ یہاں مُشقت کے بدلے دولت کی ملکیت حاصل ہوتی ہے۔ دوسری طرف تجارت کو ایک ایسا ذریعہ نہیں سمجھا جاتا جس کے ذریعے دولت کی ابتدائی ملکیت حاصل کی جاتی ہے کیونکہ آپ پہلے ہی کچھ مال رکھتے ہیں اور آپ اسے زیادہ مال کمانے کے لیے فروخت کرتے ہیں۔ اسی طرح مکان کرایہ پر دینا دولت کی ابتدائی ملکیت نہیں سمجھا جاتا کیونکہ کمایا گیا کرایہ اس مکان کی وجہ سے ہوتا ہے جو پہلے سے ہی ملکیت میں ہے۔ تجارت اور مکان کا کرایہ پر دینا دونوں ملکیت کے تصرف میں آتا ہے جس میں ملکیت کا تبادلہ اور ملکیت کی سرمایہ کاری شامل ہے۔ ابتدائی ملکیت وہ ہوتی ہے جو دولت کے حصول کے لیے وسائل اور ذرائع استعمال کرکے حاصل کی جائے جس میں پہلے سے موجود کسی ملکیت کا استعمال نہ ہو۔ اسلام نے ابتدائی ملکیت کے پانچ ذرائع بیان کیے ہیں۔ اسلام ایسی ملکیت کو تسلیم نہیں کرتا اگر یہ ابتدائی ملکیت کے ان پانچ ذرائع سے حاصل نہیں کی گئی۔ اسلام میں ابتدائی ملکیت کے پانچ ذرائع یہ ہیں: محنت و مشقت، وراثت، کسی بھی ذریعہ سے حاصل کی گئی گزر بسر کی بنیادی اشیاء، شہریوں کو ریاست کی طرف سے دیا گیا مال اور وہ دولت جو کسی ملکیت اور پیسے کے تبادلے کے بغیر ہو مثلاً تحائف، حق مہر، خُون بہا، گمنام دولت اور حکمران کا وظیفہ۔

دولت کا تصرف اُن شرعی قوانین سے متعلق ہے کہ کوئی اپنی ملکیت کو کس طرح استعمال کر سکتا ہے۔ اس میں زمین، تجارت اور صنعت و حرفت سے متعلق قوانین شامل ہیں۔ اسلام ملکیت کو ایک جائز حق کے طور پر دیکھتا ہے، جسے صرف اس صورت میں تسلیم کیا جاتا ہے جب ملکیت شریعت کے بیان کردہ ذرائع سے حاصل ہو۔ اسی طرح ملکیت کا تصرف بھی صرف شرعی قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔ اس میں اپنی ملکیت میں اضافہ کی خاطر، تجارت، یا صنعت و

حرفت یا کاروباری کمپنیوں کے ذریعے سرمایہ کاری شامل ہیں۔ اصل میں اسلام دولت کے تصرف کے قوانین کے ذریعے معیشت میں ملکیت کے تبادلے کو بھی منظم کرتا ہے۔ معیشت میں مال کا تبادلہ اسلام کے بیان کردہ لین دین اور معاہدوں سے متعلق قوانین وضوابط کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ یہ متعین، طے شدہ اور بہترین طرح سے وضع کردہ قوانین اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ دولت معیشت میں گردش کرتی رہے اور بہت سے معاشی کھلاڑی دولت کے تبادلے میں شامل ہوں۔ غور کریں کہ اسلام پبلک لمیٹڈ کمپنیوں کی اجازت نہیں دیتا جہاں کسی کمپنی کے لیے عوامی سرمایہ کاری ابتدائی طور پر عوامی پیشکش کے ذریعے ہوتی ہے، اور اس طرح اسلام اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ بہت سے لوگوں کی کثیر دولت کسی ایک واحد کمپنی میں نہ چلی جائے۔ اسلام قرض پر مبنی سرمایہ کاری کو بھی قبول نہیں کرتا جہاں سرمایہ کار بینکوں سے سود پر قرض حاصل کیا جاتا ہے۔ اس طرح اسلام بڑے بینکوں سے بڑی کمپنیوں کی طرف سرمائے کے خطیر بہاؤ کو روکتا ہے۔ اسلام سود پر مبنی فنانسنگ کی بھی اجازت نہیں دیتا، جہاں بینک افراد کو سود پر مبنی ڈپازٹ (نقد جمع کرانے کی) کی پیشکش کرتے ہیں، یوں بینک معاشرے سے بڑی مقدار میں سرمایہ اکٹھا کر لیتا ہے اور پھر بڑی بڑی کمپنیوں کو سود پر مبنی قرضے دیتا ہے۔ اسلام عوامی ملکیت کو نجی ملکیت بنا دینے کو بھی ممنوع قرار دیتا ہے جو کہ خصوصی طور پر زمین سے نکالے گئے وسائل کے بدلے خطیر سرمایہ کمانا ہے، اس طرح اسلام بڑی نجی کمپنیوں اور بڑے سرمایہ کاروں کی جانب خطیر دولت کے بہاؤ کو روکتا ہے۔ اسلام حکم دیتا ہے کہ کسی بھی قسم کا اشتراک اور سرمائے کا بہاؤ صرف اُنہی کمپنی ڈھانچوں کے ذریعے ہو جو اسلام نے بیان کر دیے ہیں جہاں شراکت داری کے اصول ایسے ہوتے ہیں کہ کمپنی کے معاملات براہ راست شراکت دار چلاتے ہیں اور جہاں سرمائے کو پیداواری معاشی سرگرمیوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور جو بھی منافع کمایا جاتا ہے اس کو شراکت داروں میں بانٹا جاتا ہے اور اس طرح ملکیت میں اضافہ اور شراکت داروں کے درمیان اس ملکیت میں اضافے کی تقسیم کو یقینی بنایا جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے تفصیلی، متعین اور طے شدہ ناقابل تغیر اصولوں اور نظام کے ذریعے، اسلام معیشت میں دولت کی تقسیم کو یقینی بناتا ہے۔

اسلام معیشت میں دولت کی گردش سے متعلق صریح قوانین کی بھی تخصیص کرتا ہے۔ اسلام سونا اور چاندی ذخیرہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا چاہے اس پر زکوٰۃ ادا کی گئی ہو۔ اسلام ایک مخصوص مقصد کے لیے مال جمع کرنے، جس کی اجازت ہے، اور کسی خاص مقصد کے بغیر مال جمع کرنے، جس کی اجازت نہیں ہے، کے درمیان فرق کرتا ہے۔

دوسرا یہ کہ، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو واضح طور پر حکم دیا ہے کہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ دولت معاشرے میں امیروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے۔اس طرح اسلام ریاست کے لئے لازمی قرار دیتا ہے کہ وہ معاشرے کے مختلف طبقات میں دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے مداخلت کرے،اگر مثال کے طور پر اسلامی ریاست کا ایک شہر یا علاقہ بہت صنعتی ہونے کی وجہ سے امیر ہے اور دوسرا علاقہ بہت زیادہ پیداواری نہ ہونے کی وجہ سے غریب ہے۔اسلام تقاضا کرتا ہے کہ ایسی صورت حال میں ریاست سبسڈی اور گرانٹ فراہم کرے اور دیگر ضروری اقدامات کرے جو غریب علاقے کی خوشحالی کے لیے ضروری ہیں تا کہ یہ یقینی بنایا جاسکے کہ دولت پورے معاشرے میں گردش کرتی رہے۔

دولت کی تقسیم، دولت تک رسائی کو منظم کرنے اور اس کے لیے قواعد وضع کرنے کے بارے میں ہے۔ایک ایسے نظام کے بغیر، جو معاشرے میں رہنے والے ہر فرد کے لیے اس دولت تک رسائی کو یقینی بنائے اور منظم کرے، معاشرے میں دولت میں اضافہ کا نتیجہ معاشی طور پر چند مراعات یافتہ لوگ ہوتے ہیں، جو پہلے سے ہی سرمایہ رکھتے ہیں اور مزید دولت اکٹھی کرنے کے لیے اسے استعمال کرتے ہیں۔ یا پھر زیادہ باصلاحیت، حوصلہ مند اور قابل افراد معاشرے کے دوسرے طبقات سے زیادہ کماتے ہیں اور معاشی طور پر سبقت حاصل کرتے ہیں اور اس طرح معاشرے کی کل دولت کا بڑا حصہ اپنے لیے سمیٹ لیتے ہیں۔ معاشرے کی دولت میں اضافہ بھی فطری طور پر معاشرے اور اس کے افراد کے فطری عزائم پر مبنی ہونا چاہیے جب وہ پیداواری سرگرمیوں اور اعلیٰ ذاتی اور معاشرتی ہدف کی جستجو لئے سرگرم ہوں۔اسے ایسے پالیسی فریم ورک کا مقصد نہیں بنانا چاہیے جہاں دولت ذخیرہ کرنا ہی بذاتِ خود ایک مقصد ہو۔ دولت بڑھانے اور وسائل کا ڈھیر لگانے کی یہ غیر فطری جستجو ہی ہے جس کے نتیجے میں حالیہ عالمی بحران پیدا ہوا ہے جو کہ دنیا بھر کے پالیسی سازوں کو تیزی سے پریشان کر رہا ہے۔

**كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ**

**"تاکہ مال تمہارے دولت مندوں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے"(الحشر:7)**

فہرست

# مغرب اپنی حد تک پہنچ رہا ہے جبکہ اسلام دوبارہ ابھر رہا ہے

فائق ناجح-پاکستان

آج سے 100 سال پہلے مغرب یہ سوچ بیٹھا تھا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے دور سے مسلسل چلی آ رہی ریاستِ خلافت کا خاتمہ کر کے بالآخر اسلام کو شکست دے دی ہے۔اس کے بعد کی دہائیوں میں مغرب نے مسلمانوں کے اوپر اس فتح کو پختہ کرتے ہوئے یورپی ویسٹ فیلی ریاستی ماڈل (Westphalian nation-state model) کو مسلم دنیا میں نافذ کیا اور اسلامی ریاست سے کٹی ہوئی ہر مسلم ریاست میں ایک نئی سیکولر قومی ثقافت کو پروان چڑھایا۔اور جب یہ بے پناہ پھیلی ہوئی یورپی ریاستیں اپنی افواج کو مسلمان علاقوں سے نکالنے پر مجبور ہوئیں تو ان نے نہایت اعتماد اور اطمینان کے ساتھ اختیار واقتدار ایک ایسے مقامی ایجنٹ حکمران طبقے کے حوالے کر دیا جو اپنی تمام تر وفاداریاں مغرب کے ساتھ وابستہ کر چکا تھا، مغربی مفادات کا تحفظ کرتا تھا اور مسلمان علاقوں میں زندگی کے متعلق سیکولر لبرل نقطہ نظر نافذ کرتا تھا اور یوں مغربی پلان کی حفاظت ہوتی رہی۔یقیناً مغرب اسلام کی اس شکست پر اتنا پر اعتماد تھا کہ اس نے اپنے علاقے اس امید پر لاکھوں مسلمانوں کی آبادکاری کے لئے کھول دیئے کہ یہ مسلمان بھی اسی طرح مکمل طور پر مغربی سیکولر لبرل زندگی اور ثقافت اختیار کر لیں گے جیسا کہ ان سے پہلے ان کے غدار حکمرانوں نے مغربی نظریہ اپنایا۔لیکن عثمانی خلافت کے خاتمے کے محض 50 سال بعد ہی دوبارہ سے اسلامی احیاء کے لئے خواہشات اور ہل چل معاشرے میں نظر آنا شروع ہو گئی۔اس کے جواب میں ایجنٹ حکمرانوں نے یا تو سطحی طور پر اسلامی روایات کو اپنانا شروع کر دیا یا ظلم و جبر کی آمریتیں قائم کر کے اپنی حاکمیت کو تقویت پہنچائی یا بعض حالات میں ان دونوں حربوں کو اکٹھے استعمال کیا۔مغرب میں موجود مسلمان شہریوں کو پہلے تو کثیر الثقافتی (multiculturalism) کے دعوؤں سے ٹھنڈا رکھا گیا لیکن اس کے بعد بڑھتی ہوئی شدت کے ساتھ مغربی سیکولر لبرل روایات کو اپنانے پر مجبور کیا جانے لگا۔آخرکار، گزشتہ دو دہائیوں میں نام نہاد "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کے تحت مغرب نے اسلام کے احیاء اور امت مسلمہ کو اپنے امور کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لینے کو ہر ممکنہ ذرائع سے روکنے کیلئے ایک کھلم کھلا مربوط عالمی مہم کا آغاز کر رکھا ہے۔اس کے باوجود اسلام کا احیاء جاری ہے،اور امت اپنی شناخت، اپنی شاندار تاریخ اور اپنے اور تمام

انسانیت کے لئے اپنی عظیم ذمہ داری کے متعلق زیادہ سے زیادہ باشعور ہوتی جارہی ہے۔ مغرب اسلام کے دوبارہ عروج اور نشاۃِ ثانیہ سے خوف صرف اس لئے نہیں رکھتا کہ اس کی مسلم علاقوں اور وسائل تک رسائی ختم ہو جائے گی بلکہ اس لیے بھی کہ مغرب اپنی ناقص اور بنیاد سے کمزور تہذیب کی نزاکت اور عارضی بالادستی کی اصل پہنچ کو بخوبی جانتا ہے۔

مغربی تہذیب اپنے آپ کو صدیوں کی ترقی اور نشو نما کی انتہاء کے طور پر پیش کرتی ہے اور اپنا نسب روم اور یونان سے جوڑ کر ہزاروں سالوں کی انسانی کامیابی و ترقی کی تکمیل کا دعویٰ کرتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغربی تہذیب کی بنیاد مکر و فریب، غلطیوں اور سمجھوتوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ مغرب کے مفاد پرست نظریے کے سنگین نتائج اس کے زوال پذیر معاشی اور معاشرتی حالات، پستی کی طرف جاتے میڈیا اور تعلیمی معیارات، کرپٹ حکومتی اور غیر مستحکم خارجہ پالیسی میں واضح نظر آتے جارہے ہیں۔

مغرب کا سرمایہ دارانہ معاشی نظام در حقیقت پہلے ہی ناکام ہو چکا ہے مگر اس کے نقائص کو متعدد نئی ساختہ اصطلاحات کے ذریعے چھپانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ملکیت کی آزادی کے تصور پر ایک پورے معاشی نظام کی تشکیل صرف اور صرف طاقتور کے ہاتھوں کمزور کے اور امیر کے ہاتھوں غریب کے استحصال پر ہی منتج ہو سکتی ہے۔ ابتدا میں معاشی سرگرمیوں میں اضافہ ہوتا ہے، جیسے بیماری کے نتیجے میں بخار بڑھتا ہے۔ لیکن جیسے جیسے دولتمند معیشت سے پیسہ نکالتے جاتے ہیں اور تجارت کم سے کم ہاتھوں میں مرکوز ہوتی جاتی ہے تو معاشی سرگرمیاں کمزور اور کم ہوتی جاتی ہیں، جیسے کینسر سے متاثر جسم اپنے آپ کو خود ہی کھا جاتا ہے۔ صنعتی انقلاب کے ایک صدی کے عرصے میں ہی سرمایہ دارانہ نظام عملی طور پر ناکام ہو چکا تھا، اور بعد ازاں کئی ترامیم اور تبدیلیوں کے ذریعے اسے بچایا جانا پڑا۔ کم از کم جزوی طور پر دولت کی معاشرے میں عادلانہ تقسیم کے لئے کینیز یزم (Keynesianism) کو متعارف کرایا گیا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ کاغذی (fiat) کرنسی کو متعارف کرانے کے نتیجے میں دراصل حقیقی دولت اشرافیہ کے پاس ہی رہی جبکہ جعلی اور بے وقعت دولت (فیاٹ کرنسی) کی بڑھتی ہوئی مقدار عوام میں گردش کرنا شروع ہو گئی۔ اس کے نتیجے میں بڑھتی ہوئی افراطِ زر پر قابو پانے کے لئے حکومتوں نے کینیز یزم سے مونیٹرازم (monetarism) کی طرف رخ کر لیا، جس کے ساتھ ہی اشرافیہ کو نجی مالی سرمایہ کاری میں توسیع اور ایک متوازی اشرافیائی معیشت کی تخلیق کی

صورت میں دولت پیدا کرنے کے لئے نئے راستے میسر ہو گئے۔ سرمایہ دارانہ نظام صحیح معنوں میں دولت کا صرف چند ہاتھوں میں گردش کرنے کا مظہر پیش کرتا ہے، جبکہ باقی معاشرہ معاشی جمود میں جھونک دیا جاتا ہے۔ اگر مغربی ریاستیں اب تک نسبتاً خوشحال ہیں تو یہ ان کی مقامی معیشت کی مضبوطی کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ ان کی استعماری خارجہ پالیسی کی وجہ سے ہے جو انہیں پوری دنیا کی دولت اور وسائل تک رسائی فراہم کرتی ہے۔

مغرب کے ناکام معاشی نظام کے ساتھ ہم آہنگ اس کا ناکام معاشرتی نظام ہے۔ جس طرح ملکیت کی آزادی کے نتیجے میں معاشی استحصال پیدا ہوتا ہے، اسی طرح فرد کی آزادی معاشرتی استحصال کو جنم دیتی ہے۔ قوت اور طاقت رکھنے والے، جو اپنی زندگی کے جوبن میں ہوتے ہیں، اپنی زندگیوں سے بھرپور لطف اندوز ہوتے ہیں، جبکہ کمزور اور بے سہارا، کم عمر اور عمر رسیدہ، جو تقریباً کسی خاندانی یا معاشرتی مدد کے بغیر ہوتے ہیں، ایک سخت جدوجہد میں زندگی گزارتے ہیں۔ اس اتنے بڑے محتاج طبقے کی طرف سے ممکنہ سیاسی نتائج سے خوفزدہ ہو کر، مغربی حکومتوں نے بڑے پیمانے پر اس خرچے میں اضافہ کیا ہے، جس کو وہ 'سماجی' اخراجات کہتے ہیں، جو کہ ان کے بجٹ کا سب سے بڑا خرچہ بن چکا ہے۔ امریکی سرکاری اخراجات کا مشترکہ تخمینہ اس کے فوجی بجٹ سے دس گنا زیادہ ہے، جو عوامی اخراجات پر ایک ناممکن حد تک بڑا بوجھ ہے، لیکن اس کے باوجود مغرب میں بے پناہ لوگ غیر یقینی کی صورتحال میں زندگی بسر کر رہے ہیں، یہاں تک کہ صرف ایک یا دو تنخواہوں کی تاخیر سے ادائیگی، ان کو مکمل معاشی بدحالی میں دھکیل سکتی ہے۔ یہ معمول بن چکا ہے کہ امریکی کانگریس میں ہر سال بجٹ کی مختلف مدوں میں مختص کی جانے ہولی رقم پر جھگڑا ہوتا ہے، جس کی نوبت حکومتی کام کی بندش تک پہنچ جاتی ہے، اور یہ ایسے ہی چلتا رہتا ہے جب تک کہ کسی نئے سمجھوتے پر اتفاق نہیں ہوتا۔ آبادی کی نوعیت میں تبدیلیوں کی وجہ سے، عمر رسیدہ لوگوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے مالی اخراجات کا بوجھ ایک گھٹتے ہوئے کام کرنے والے طبقے کو برداشت کرنا پڑے گا جو کہ ایک ناممکن امر ہے۔ اس کے باوجود انفرادیت معاشرتی تعلقات کو مزید تباہ کر رہی ہے۔ کوئی بھی تہذیب مضبوط خاندانوں اور برادریوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔

مغربی تہذیب کی بیشتر کمزوریوں پر ان کا تعلیمی نظام اور میڈیا پالیسی پردہ ڈالے ہوئے ہے، جو کہ مغربی طرزِ زندگی کی مبینہ برتری کو ثابت کرنے کی کوشش میں گمراہ کن اعتقادات کی تعلیمات اور بدنیتی پر مبنی پروپیگنڈے کا استعمال

کرتے ہیں۔ لیکن مغربی میڈیا کی نام نہاد ساکھ ان کے اپنے ممالک اور بیرونی ممالک میں بے نقاب ہوتی جارہی ہے، اس کی محض زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی سوچ پر مبنی کوششوں نے اس کو کسی قسم کے بھی حقائق پہنچانے کے سنجیدہ کام سے منحرف کر دیا ہے، اور یہ انحراف اس لئے بھی آسان ہو گیا کیونکہ میڈیا کو عوام تک حقائق پہنچانے کے آلہ کار کے طور پر تشکیل دینے کی بجائے محض آزادی رائے کے تصور پر قائم کیا گیا ہے۔ تعلیمی نظام پر بھی مستقل قابو رکھا گیا ہے تاکہ ہر نئی نسل میں ان غلط تصورات کے متعلق ایک جھوٹا یقین پیدا کیا جا سکے جو مغربی تہذیب کی بنیاد ہیں۔ مگر مغربی تعلیم ان مغربی تجرباتی علوم (empiricism) کی وجہ سے کمزور پڑ رہی ہے جو کہ سوچنے اور فکر کرنے کے عمل میں حقیقت کے حسی ادراک کی اہمیت کو تو سمجھتے ہیں لیکن اس حقیقت کے درست معنی سمجھنے کے لئے درکار سابقہ معلومات کی ضرورت کی نفی کرتے ہیں۔ پس، مغربی تعلیم ایک محدود تر، حقیقت سے دور اور بلواسطہ عمل بن گیا ہے جو کہ تعلیم کے کردار کو ایک نسل سے اگلی نسل تک علم کی منتقلی نہیں بلکہ محض طلباء کو حقیقت کے اوپر آزادانہ تجربات کرنے میں سہولت فراہم کرنا سمجھتا ہے، گویا انسان محض ایک جانور ہے جو اپنے سے سابقہ نسلوں سے تصورات سیکھنے سے عاجز ہے۔

مغرب کے لوگوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ اپنے امور کے خود نگہبان ہیں جبکہ در حقیقت مغربی نظامِ حکومت عوام کی نہیں بلکہ اشرافیہ کی خدمت کرتا ہے۔ مغرب کا "مخلوط حکمرانی" کا نظام اصل میں اشرافیہ کے مفادات کے واضح تحفظ کے لئے وضع کیا گیا تھا، جبکہ ایک بادشاہ کو تنفیذی اختیارات دینے کے ساتھ ظاہری طور پر عام آدمی کے مفادات کے تحفظ کا پہلو رکھا گیا۔ 19 ویں صدی میں انقلابات کی کوششوں کے پیش نظر مغرب نے یہ دعویٰ کرنا شروع کیا کہ وہ اپنے نظامِ حکمرانی کو جمہوریت کی اقدار کے مطابق ڈھال رہا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہی نظام کچھ سطحی تبدیلیوں کے ساتھ مسلسل نفاذ میں ہے۔ کئی مغربی رہنما یہ جانتے ہیں کہ جمہوریت ایک فضول، ناقابل عمل تخیل ہے جو کہ صرف عوام کو حکومت کے ساتھ منسلک رکھنے کے لئے مفید ہے، یا پھر زیادہ سے زیادہ اس لئے کہ سیاستدان عوام کے لئے ایک سطحی تشویش کا اظہار کر سکیں جو عوام کے غصے کو انقلاب میں بدلنے سے روک دے۔ جہاں یہ بات ضروری ہے کہ لوگ مجموعی طور پر اپنے امور کی ذمہ داری اٹھائیں وہاں یہ ممکن نہیں کہ عوام مجموعی طور پر اپنے قوانین تشکیل دے

سکیں۔ بالآخر، ہر جمہوریت میں قوانین ایک مخصوص اشرافیہ کے مفاد میں بنائے جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں حکمرانی کے ایسے نظام وجود میں آتے ہیں جو صرف عوام کے استحصال کو مزید بڑھانے میں کارگر ثابت ہوتے ہیں۔

مگر شاید مغرب نے سب سے بڑا ظلم اپنی خارجہ پالیسی کے ذریعے ڈھایا ہے۔ ایک پرُامن ورلڈ آرڈر (world order) قائم کرنے کے نام پر مغرب نے در حقیقت یورپی سامراجی ماڈل کو عالمی سطح تک وسیع کر دیا ہے۔ ان تاریخی سلطنتوں کا مقصد مقبوضہ کالونیوں کے مال اور وسائل کو لوٹ کر سامراجی قوم کے مفاد کے لئے استعمال کرنا تھا۔ مثال کے طور پر مسلم ہندوستان کرۂ ارض پر سب سے زیادہ بڑی، ترقی یافتہ اور خوشحال معیشت تھی لیکن برطانوی سامراج کی حکومت کے تحت ہندوستان دنیا کے سب سے غریب ترین علاقوں میں شمار ہونے لگا، جبکہ برطانیہ مال و دولت لوٹ کر عالمی طاقت بن گیا۔ لیکن جب مغرب اپنی سلطنتوں کو ختم کرنے پر مجبور ہوا، جس کی ایک وجہ مغربی اقوام کی آپس کی دشمنی اور جنگیں تھی، تب مغرب نے اپنا سامراجی نظام خفیہ طور پر برقرار رکھنے کے لئے ایک جامع عالمی سیاسی، اقتصادی اور عسکری ڈھانچہ تشکیل دیا۔ مغربی طاقتوں کی سیاسی بالادستی کے تحفظ کے لئے مغربی قانونی نظریہ کی بنیاد پر بین الاقوامی قانون کو وضع کیا گیا جس کے نتیجے میں ان کو غیر مغربی ممالک کے معاملات میں مداخلت کرنے اور ان کو زبردستی مغربی قوانین اور روایات اپنانے پر مجبور کرنے کے لامحدود مواقع مہیا ہو گئے۔ اس تسلط کو تقویت بخشنے کے لئے اقوام متحدہ، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ، عالمی بینک، عالمی تجارتی تنظیم، نیٹو فوجی اتحاد اور ان جیسی دیگر کئی تنظیموں کو بروئے کار لایا گیا جن کے تشکیل دیے جانے کا مقصد ہی مغربی برتری کو برقرار رکھنا تھا۔ عالمی اقتصادی اور تجارتی معاملات اس خوبی سے ترتیب دئے گئے کہ مغرب باقی دنیا کی دولت، وسائل اور اقتصادی سرگرمیوں سے مستفید ہو سکے۔ عالمی مالیاتی فنڈ (IMF) جیسے ادارے اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ مغرب کی ان ممالک تک مکمل رسائی ہو سکے جو رسمی طور پر آزاد ہونے کے باوجود عملاً نوآبادیاتی ریاستیں ہی ہیں۔ مغربی عسکری برتری کے تسلسل کو یقینی بنانے کے لئے مغربی اور غیر مغربی ممالک کے مابین "دفاعی" معاہدے تیار کیے جاتے ہیں۔ جہاں اس طرح کے انتظامات ناکام ہو جاتے ہیں وہاں مغرب عالمی امن کے نعرے کے بہانے سے ان رکاوٹ ڈالنے والے ممالک پر حملہ آور ہو کر قبضہ کرتا ہے اور اس بات کا لحاظ نہیں رکھتا کہ اس کی زد میں فوجی ہیں یا شہری، جوان ہیں یا بوڑھے، مرد ہیں یا

خواتین۔ بلاشبہ ان کے فوجی نظریات ان کو دانستہ طور پر اس طرح کے ذرائع اور طریقے اختیار کرنے پر ابھارتے ہیں جن کے ذریعے وہ دشمن کی مکمل آبادی کو براہ راست نشانہ بنانے کے اہل ہوتے ہیں۔

یہ ممکن نہیں کہ مغرب کی یہ بے باک بالادستی ہمیشہ کے لئے جاری رہے۔ اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ مغرب اسی جھوٹے سیکیولر لبرل عقیدے پر قائم رہتے ہوئے اپنی اصلاح کر سکے۔ یہ عقیدہ کسی پر خلوص سوچ بچار یا تفتیش کے ذریعے نہیں اپنایا گیا بلکہ یہ ایک سمجھوتہ تھا جو کہ بغاوت پر مبنی مادیت پسند تحریک کو روکنے کے لئے کیا گیا تھا جو اشتراکیت کا پیش خیمہ تھی اور جس نے یورپ کی فرقہ وارانہ تنازعات کے بعد موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عیسائی عقیدے کے خلاف فکری جدوجہد اور عیسائی یورپ کے بادشاہوں اور پادریوں کے دوہرے ظلم وستم کے خلاف سیاسی جدوجہد کی تھی۔ مادیت پرستی کو فکری طور پر شکست دینے یا مادیت پسند سیاسی تحریکوں کو دبانے میں ناکامی کے بعد مغربی حکمران طبقے نے سیکولر لبرل عقیدہ اپنا لیا اور اپنے اقتدار کے عہدوں کو بچانے کی خاطر اپنے مذہب پر سمجھوتہ کر لیا۔

عیسائی مغرب سوچ بچار (تفکیر) سے متعلق یونانی طریقہ کار اپنائے ہوئے تھا، جس کے مطابق منطق کے استعمال کے ذریعے کوئی بھی فکر ثابت کی جاسکتی ہے، اور نتائج ایسے خود عیاں اور عمومی نوعیت کے بنیادی مفروضوں سے اخذ کیے جاتے ہیں جن کا انتخاب ہی مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ اس طرح کی پیچیدہ منطق بذاتِ خود قابل اعتراض تھی، بلکہ یونانی یہ خیال کرتے تھے کہ ان کے عمومی مفروضوں کو الگ سے کسی قسم کے ثبوت درکار نہیں تھے کیونکہ ان کے مطابق ذہن حقیقت کے احساس اور سابقہ معلومات کے بغیر ہی محض سوچ وبچار کے ذریعے حقیقت تک پہنچنے کے قابل ہے۔ نتیجتاً، خالق کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے عیسائیت کے تمام نام نہاد ثبوت ظن اور گمان سے بڑھ کر کچھ نہ تھے خواہ وہ کائنات کی تخلیق پر مبنی ہوں، حقیقت کی موجودگی کے فلسفے پر مبنی ہوں یا اسباب اور ان کے نتائج پر مبنی ہوں۔ مادہ پرستوں نے عیسائیوں کے ہی استعمال کردہ یونانی عقلی طریقہ کار کو ہی اپناتے ہوئے نہایت آسانی سے ان کا مقابلہ کیا اور خود اپنے "ثبوت" گھڑ لیے جو کہ کائنات کے ازلی ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اسی کے جواب میں عیسائی مفکرین نے اپنے طریقہ تفکیر کو منطق کی بنیاد سے ہٹا کر تجرباتی بنیاد سے تبدیل دیا۔

مغربی عقیدے کا سیکولر پہلو اسی empiricism کی سوچ کو اپنانے کی وجہ سے ہے جس کے مطابق قطعی علم صرف براہ راست حسی ادراک کے ذریعے ہی حاصل ہوتا ہے۔اب چونکہ مذہب کی بنیاد تو اس علم پر ہے جو اس دنیا سے ماورا ہے، لحاظہ تمام مذہبی امور ظنی قرار پائے گئے اور ان کو فکری مباحثے سے خارج کر دیا گیا۔یوں دین اور دنیا کی علیحدگی کی قیمت پر مادہ پرستوں کے مذہب پر فکری حملوں کو خاموش کیا گیا۔

باہمی سیاسی تعاون کے ذریعے یورپ کے بادشاہوں اور پادریوں نے عوام کا بے حد استحصال کیا اور تمام طاقت اور دولت اپنے تک محدود رکھی۔اس کا مقابلہ کرنے کے لئے مغربی حکمران طبقے نے خود ہی مادہ پرست سیاسی افکار کے کچھ پہلوؤں کو اپنا لیا۔ مغربی عقیدے میں لبرل پہلو انہی آزادی اور جمہوریت کے مادہ پرست افکار میں ترامیم کر کے اپنانے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے؛ مادہ پرست ایک طے شدہ ازلی کائنات پر یقین رکھتے تھے اور آزادی اور جمہوریت کے تصورات پیش کرتے تھے تاکہ انسان جانوروں کی طرح اپنی خود غرض جبلتوں اور خواہشات کو پورا کر سکے جو کہ مادہ پرستوں کے نزدیک کل انسانی فطرت ہیں۔لبرل ازم اختیار کرنے سے مغرب اپنی حکمران اشرافیہ پر مادہ پرستوں کے سیاسی حملوں کو خاموش کرنے کے قابل ہو گیا۔

اگر مغرب اتنے بدصورت اور گھناؤنے سمجھوتے کے باوجود اب تک قائم و دائم ہے تو اس کی وجہ صرف وہ رفتار کی سستی ہے جس کے ساتھ یہ ان افکار اور قوائد میں تبدیلیاں اور ترامیم کرتا ہے جو اس کو گزشتہ دور سے میراث میں ملے ہیں۔ یہ گزشتہ دور نہ تو یونان کا ورثہ تھا اور نہ ہی روم کا بلکہ اسلام کا ورثہ تھا۔ مغرب نہ صرف ریاضی، طبعی علوم اور ٹیکنالوجی میں اسلامی تہذیب کا مقروض ہے بلکہ فنون عامہ، افکار، فلسفہ اور زندگی کے نظاموں میں بھی مکمل طور پر اسلامی تہذیب کا مرہون منت ہے، جو کہ اس نے مسلمانوں سے حاصل کیے لیکن انہیں ایک غیر اسلامی عیسائی طرز میں ڈھال دیا گیا۔ یہ جاننا ناممکن ہے کہ یونان نے درحقیقت انسانی تعلیم میں کتنا اضافہ کیا کیونکہ اس سے قبل کی تہذیبوں کے تاریخی دستاویزات اب میسر نہیں، مثال کے طور پر قدیم زمانے میں اسکندریہ میں موجود عظیم مصری کتب خانے کا ضائع ہو جانے کی وجہ سے۔ اور اگرچہ روم اپنے دور کی سب سے بڑی طاقت تھی لیکن اس کے اصل دارالحکومت سمیت ریاست کے مغربی حصے کے تباہ ہو جانے سے مغرب غیر مہذب پسماندگی کا شکار ہو گیا تھا۔ یہ

حقیقت میں اسلام کا عروج تھا جس نے مغرب کو دوبارہ ابھرنا نصیب کیا، اس کے اندلس میں مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کی بنا پر، جہاں اسلام نے ایک حیرت انگیز ترقی یافتہ تہذیب کو جنم دیا تھا؛ اس کے بعد سِسلی (Sicily) میں مسلمان تہذیب کے ساتھ رابطے کی وجہ سے جس کو اس کے بعد میں آنے والے نارمن (Norman) حکمرانوں نے برطانیہ فتح کرنے کے بعد وہاں متعارف کیا؛ پھر اسلامی سرزمین کے مرکز کے ساتھ اس گہرے ربط کی وجہ سے جو صلیبی جنگوں کے دوران قائم ہوا اور پھر عثمانی ریاست کے ساتھ تعلق کی وجہ سے جس کو صحیح معنوں میں دنیا کی پہلی عالمی سپر پاور کہا جا سکتا ہے جسے زمین اور سمندروں دونوں پر مکمل غلبہ حاصل تھا۔ مغرب اسلام کے سائے تلے زندگی بسر کرتا رہا یہاں تک کہ اندرونی کمزوریوں کی بنا پر عثمانی ریاست اپنے اولین ریاست کے مقام سے گر گئی۔ صرف تب جا کر اٹھارویں صدی کے آواخر میں مغرب مسلمانوں سے آگے نکلنے میں کامیاب ہوا، اس کی اقوام بڑی طاقتوں کی صفوں میں شمار ہونے لگیں اور اس کی تہذیب، مادہ پرستی کے ساتھ ایک شیطانی سمجھوتہ کر لینے کے بعد، اسلام کے سائے سے نکل کر ایک مختلف اور انتہائی غیر مذہبی راستہ پر چلنے لگی۔ یہ حقیقت کہ مغرب کے قدم ڈگمگا رہے ہیں ان کے لئے نہایت واضح ہے جو اس کے نظریاتی پروپیگنڈا سے متاثر ہوئے بغیر حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔ مغرب کا جھوٹا عقیدہ مسلسل اس اچھائی کے اثرات کو ختم کر رہا ہے جو اسلام کے ساتھ رابطے کی وجہ سے اس میں سرایت کر گئی تھی۔ ہر آنے والی نئی نسل کے ساتھ مغرب آزادی اور جمہوریت کے نام پر مزید مکروہ اعمال اپنا لیتا ہے، نوجوان اپنے بزرگوں کی اقدار کو مسترد کرتے ہیں، اور بزرگ ان نوجوانوں میں پائے جانے والے رجحانات کو تسلیم یا قبول کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک جو دیکھنے والی آنکھ رکھتے ہیں، اگر مغربی تہذیب کے متبادل اسلامی تہذیب قائم ہو جائے تو مغربی تہذیب اپنی فوقیت برقرار نہیں رکھ سکے گی۔

ماضی میں اسلامی ریاستِ خلافت کا کھو جانا کسی ناگزیر تہذیبی زوال کی وجہ سے نہیں تھا۔ کافر مغرب کے برخلاف، اسلام کا عقیدہ حق اور آج بھی درست ہے۔ مذہبی افکار کو ظنی سمجھنا غلط ہے۔ تفکیر اور سوچنے کا درست عمل اس قابل ہے کہ اس کے ذریعے ایسے قطعی فکری نتائج تک پہنچا جائے جن تک انسان براہ راست احساس کے ذریعے نہیں پہنچ سکتا۔ اسلامی عقیدہ نہ تو ایسے عمومی بنیادوں پر انحصار کرتا ہے جن میں ظن اور گمان کا دخل ہو، اور نہ ہی غیر ثابت شدہ

خود عیاں مفروضوں پر منحصر ہے۔ اس کے برعکس اسلامی عقیدہ قطعی اور براہِ راست حسی ادراک کے ذریعے سے قطعی اور مخصوص فکری نتیجے تک پہنچتا ہے، جس میں کسی قسم کے ظن یا گمان کی مداخلت نہیں۔ اسلامی تہذیب کا زوال اس کے عقیدے میں کسی قسم کے نقص کی بنا پر نہیں تھا بلکہ ان ناقص اجنبی افکار کی وجہ سے تھا جو عقیدے کے گرد جمع ہو گئی تھیں جس طرح مضبوط اور جاندار جڑوں کے گرد جھاڑیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ یہی وہی خالص اسلامی عقیدہ ہے جو شعلے کی مانند کئی ادوار کے جمود کو راکھ کر رہا ہے اور امت کے اندر نئے سرے سے نشاۃِ ثانیہ کا راستہ ہموار کر رہا ہے۔ اسلام کی حقانیت سے متعلق پختہ فہم ایک مرتبہ پھر امت میں پھیل رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی مغرب کی دھوکہ دہی بھی واضح ہوتی جا رہی ہے۔ اسلام کے عوام پر حکومت کرنے سے متعلق نظام مغرب کے تشکیل کردہ نظاموں سے کہیں اعلیٰ و برتر ہیں۔ یہ مسلم علاقوں میں نافذ اسلامی اقتصادی نظام تھا جس نے نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ ان سے تجارت کرنے والے مغربی ممالک کے لئے بھی بے مثال خوشحالی پیدا کی۔ یہ اسلام کا معاشرتی نظام تھا جس نے مضبوط گھرانوں اور برادریوں کے ذریعے مسلم معاشرے میں امن اور سکون قائم رکھا۔ یہ اسلام کا تعلیمی نظام تھا جس نے علم اور علم کے حصول کی بنیاد پر ایک اعلیٰ تہذیب کی بنیاد رکھی جس نے مغربی اشرافیہ کو مسلمان علاقوں کی طرف متوجہ کیا۔ یہ اسلام کا نظام حکمرانی تھا جس نے وسیع و عریض خطوں اور متنوع اقسام کے لوگوں کو امن اور عدل کے ساتھ اکٹھے رہنے کے قابل بنایا، اس ادراک کے ساتھ کہ ان کے حقوق محفوظ ہیں۔ اور یہ اسلام کی خارجہ پالیسی تھی جس نے سیاسی مفاہمت کو فوجی مقابلوں پر ترجیح دی اور جنگوں کو تربیت یافتہ افواج کے مابین پیشہ ورانہ لڑائیوں تک محدود کر کے بین الاقوامی حالات کو پر سکون اور مستحکم رکھا۔

مغرب اب جانتا ہے کہ وہ اسلام کو فکری شکست دینے میں ناکام ہو چکا ہے اور یہ صرف کچھ ہی وقت کی بات ہے کہ سیاسی میدان میں بھی اسلام فتح حاصل کر لے گا۔ مغرب کے حالیہ رہنما امریکہ نے نام نہاد "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کے درپردہ لاکھوں فوجیوں کو مسلمان زمینوں میں لا کر اسلام کو روکنے کی ایک آخری کوشش کی ہے۔ مگر مغربی افواج مسلم آبادیوں پر قابو پانے میں ناکام رہیں اور محفوظ طریقے سے جس قدر جلدی ممکن ہوا ان علاقوں سے نکلنے پر مجبور ہو گئیں۔ امریکہ نے آج ایک مرتبہ پھر وہی سبق سیکھا ہے جو اس کی پیشرو کافر مغربی ریاستیں عرصے سے جانتی ہیں کہ مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں شکست دینا ممکن نہیں۔ لہذا عراق اور افغانستان کی تباہکاریوں کے بعد امریکہ نے

ایک نیا طریقہ اختیار کیا ہے یعنی مسلمان افواج کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنا۔ چنانچہ اس نے ترکی کو شام میں مداخلت کے لئے، سعودی عرب کو یمن میں مداخلت کے لئے اور مصر کو لیبیا میں مداخلت کے لئے استعمال کیا۔ جن ممالک پر اس کے اپنے ایجنٹ حکمرانی کررہے ہیں ان سے بھی خوفزدہ رہتے ہوئے امریکہ ان کو ایک دوسرے کے مابین متوازن رکھنے کی کوشش جاری رکھتا ہے، پس وہ سعودی عرب کو ایران کے خلاف اُکسا کر اور ترکی کو مصر کے خلاف اُکسا کر ایسا کرتا ہے۔ مگر آخر کب تک مغرب خود دور رہتے ہوئے اس قسم کے حربوں کو برقرار رکھ سکتا ہے جبکہ وہ خود براہِ راست مسلمان علاقوں پر حکمرانی کرنے کے قابل نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اذن سے مسلم امت جلد ہی اس ایجنٹ حکمران طبقے کا تختہ الٹ دے گی جو اس کے اوپر مسلط کیے گئے ہیں اور دوبارہ نبوت کے نقشِ قدم پر اسلامی خلافتِ راشدہ قائم کرے گی جو اسلامی طرز زندگی کی بحالی اور احیاء کرے گی، تمام مسلمان علاقوں کو یکجا کرے گی، مقبوضہ علاقوں کو آزاد کرائے گی اور ایک مرتبہ پھر اسلام کے نور کو پوری دنیا تک پہنچانے کا کردار ادا کرے گی۔

فہرست

# عالمی شہریت-ایک مغربی ایجنڈا

مریم انصاری-پاکستان

مسلم ممالک میں تعلیمی نظام پر نو آبادیات اور نئی نو آبادیات (Neocolonialism) کا اثر مسلم امت پر واضح ہو چکا ہے۔ اکیسویں صدی میں تِھنک ٹینکس اور حکومتی پالیسی کو متاثر کر کے مسلم ممالک کے تعلیمی نصاب میں مغربی ممالک کی طرف سے مسلسل مداخلت کی گئی۔ اس مضمون میں ہم پاکستان میں چوتھی اور پانچویں جماعتوں کے لیے معاشرتی علوم کے نئے واحد قومی نصاب (SNC) میں شامل کیے گئے شہریت کے تصور کو زیر بحث لائیں گے۔ شہریت کا مغربی تصور پہلے ہی او-لیول کے نصاب میں موجود ہے جو پاکستان میں پڑھایا جاتا ہے، کیونکہ اولیول کا نصاب برطانیہ کے سیکولر معیار کے مطابق ہے۔

اقوامِ متحدہ ایک خطرناک ایجنڈے کے مطابق مغربی نظریات کے تصورات کو عالمگیر universal بنانے کے لیے شہریت کے تصور کو فروغ دیتی ہے۔ سرمایہ داریت کی مغربی آئیڈیالوجی کئی ذرائع سے پوری دنیا میں پھیل چکی ہے۔ اقوامِ متحدہ بھی ایک ایسا ہی مؤثر ذریعہ ہے جسے سرمایہ دارانہ نظام مسلم سرزمین میں تعلیمی نظام کے ذریعے اپنے نظریات کو پھیلانے کے استعمال کرتا ہے۔ مغربی تعلیمی نظاموں کو اپنانے سے مسلم نسلوں کے خیالات کو سرے سے بدل دیا گیا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں بھرپور انداز میں غیر ملکی ثقافت سے روشناس کروایا گیا جسے اس انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ مغرب اپنے افکار، ثقافت اور تہذیب میں اعلیٰ و برتر ہے۔ انگریزی، سائنس، تاریخ اور معاشرتی علوم جیسے مضامین اس مقصد کو آسان بناتے ہیں۔ اس حکمت عملی کے نتیجے میں کچھ تصورات، جیسے جمہوریت اور قومی ریاست دنیا کے معاشروں میں عام اور عالمگیر ہو گئے ہیں۔

کسی بھی نظریہ کے لیے اپنے عقیدے، نظریات اور نظام کو دنیا کے سامنے پیش کرنا فطری بات ہے۔ اسلام کا مقصد بھی اپنے عقائد، نظریات اور نظام کو پیش کر کے دنیا پر غالب ہونا ہے۔ تاہم، اس مقصد کو حاصل کرنے کا اسلامی طریقہ، ذرائع اور انداز بہت مختلف ہیں۔ مغرب سرمایہ داروں کے فائدے کے لیے اپنا ورلڈ آرڈر مسلط کرنا چاہتا ہے،

جبکہ اسلام انصاف پر مبنی ورلڈ آرڈر قائم کرتا ہے۔ مغرب نے 20 ویں صدی کا پہلا نصف قومی ریاستوں کے تصور کو فروغ دینے میں صرف کیا۔ اقوام متحدہ کو عالمی نظام کو ایک نئی طرز پر ترتیب دینے کے لیے بنایا گیا تھا۔ اسی سلسلے میں عثمانی خلافت کو ختم کر دیا گیا اور مختلف لوگوں کو، جو کئی صدیوں سے اسلام کی حکمرانی میں رہتے تھے، خود ارادیت، قوم پرستی اور قومی ریاستوں کے نام پر دوسری سرزمینوں پر ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ قومی ریاست کی خودمختاری نئے عالمی نظام میں سرایت کر گئی اور کسی بھی ریاست کو فوج کشی کے ذریعے اپنی سرحدوں کے بڑھانے کو 'بین الاقوامی قانون' کے تحت غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ یہ اسلام کی خارجہ پالیسی پر براہ راست حملہ تھا۔ اس طرح قومی ریاستوں کو عام کر دیا گیا۔ مزید یہ کہ جمہوریت کو ایک بہترین اور ترقی پسند نظام حکمرانی کے طور پر پیش کیا گیا۔ تاہم اس کمزور تصور میں پایا جانے والا تضاد ظاہر تھا۔ جمہوریت کا پرچار کرنے والے مغرب نے بادشاہوں اور آمروں کے بھیس میں ایجنٹ حکمران بنائے اور اپنے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے ان سے تعلقات قائم کیے۔ چنانچہ حقیقت میں جمہوریت کا تصور مغرب کے مقرر کردہ ایک پیمانے سے زیادہ کچھ نہیں جس سے وہ کسی بھی قوم کی ترقی کا تعین کرتے ہیں۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد اور اقوام متحدہ کی تشکیل کے ساتھ، شہریت کی بنیاد قومیت پر طے کر دی گئی نہ کہ عقیدہ کی بنیاد پر۔ امت کا تصور مٹ گیا اور مسلمان آزادی کے دھوکے میں اپنے نوآبادیاتی آقاؤں کے پیش کردہ پرچموں کے وفادار بن گئے۔ 20 ویں صدی کے آخر میں، مغربی نظریہ نے عالمگیریت (globalization) کے رجحان کو بہت زیادہ فروغ دیا۔ اس تصور کا حقیقی ایجنڈا ایک ہم آہنگ اور متحد دنیا کے دھوکے میں چھپا ہے۔ عالمگیریت کی کئی تعریفیں ہیں: "عالمگیریت قومی معیشتوں کو تجارت، براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری (کارپوریشنز اور ملٹی نیشنلز کے ذریعے)، قلیل مدتی سرمائے کے بہاؤ، مزدوروں اور عمومی طور پر انسانیت کے بین الاقوامی بہاؤ، اور ٹیکنالوجی کے بہاؤ کے ذریعے بین الاقوامی معیشت میں ضم کرتی ہے" (بھاگوتی، 2006) اور "عالمگیریت دنیا بھر کی معیشتوں اور معاشروں کا بڑھتا ہوا انضمام ہے" (کولیئر اور ڈالر، 2001)۔

یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ 'عالمگیریت' کی اصطلاح کسی خاص قسم کے معاشرے کا تعین نہیں کرتی اور یہ دنیا بھر میں مقامی توسیع اور انضمام کا ایک عمل ہے۔ تاہم، غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ایک مغربی نظریہ ہے جو مغرب

سے مشرق تک پھیل گیا ہے۔ جبکہ خیالات، اقدار یا نظاموں کی مشرق سے مغرب کوئی منتقلی نہیں ہوئی ہے۔ عالمگیریت وہ عمل ہے جس کے ذریعے مغربی آئیڈیالوجی نے سیکولرزم کے اپنے عقیدے، آزادی کے نظریات، انسانی حقوق کی اقداراور دنیا بھر میں اس کے جمہوریت کے نظام کو فروغ دیا ہے۔ عالمی سطح پر مشہور کی گئی ثقافت اس حقیقت کا ثبوت ہے۔ یہ مغربی نظریہ ہے جو عالمی شہری کے تصور کو جو مغربی اقدار کو مجسم کیے ہوئے ہے، فروغ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ لہذا جو کوئی بھی اس کے مطابق نہیں ہے وہ انتہا پسند ہے یا عدم برداشت کا قائل ہے۔ اس طرح، مغربی نظریہ نے یہ بیانیہ تخلیق کیا ہے کہ ایک اچھا شہری وہ ہے جو اس کی اقدار کو اپناتا ہے۔

نیا معاشرتی علوم کا نصاب 'عالمی شہری' پر زور دیتے ہوئے شہریت کے موضوع سے شروع ہوتا ہے اور مندرجہ ذیل کلیدی تصورات کی تعریف سامنے رکھتا ہے: شہری، عالمی اور ڈیجیٹل شہری، حقوق اور ذمہ داریاں، تنوع، رواداری، امن اور تنازعات کا انتظام، عام آداب (صفحہ 25)۔ یہ الفاظ بظاہر بے ضرر لگتے ہیں لیکن یہ سب اپنے اندر ایک نظریاتی مفہوم رکھتے ہیں جو مغربی نظریے کی بالادستی کو آسان بناتے ہیں۔ یہ مفاہیم ذیل میں زیر بحث ہیں۔

**موضوع نمبر 1- شہریت: معیار 1- شہری حقوق اور ذمہ داریوں کی شناخت کریں اور بتائیں کہ وہ وقت کے ساتھ کیوں بدل سکتے ہیں۔**

کسی بھی معاشرے میں شہریت کے تصورات کی وضاحت اس معاشرے کے عقائد سے ہونی چاہیے۔ ایک جمہوری معاشرے میں، شہریوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کی وضاحت پارلیمنٹ یا کانگریس کے بنائے گئے قوانین سے ہوتی ہے۔ یہ تصورات کئی صدیوں کے ارتقاء کا نتیجہ ہیں کیونکہ یہی انسان کے بنائے ہوئے قوانین کی فطرت ہے۔ 1960 کی دہائی میں، برطانیہ میں شہریوں کو ہم جنس پرستی کی اجازت نہیں تھی۔ صرف 50 سال کے عرصے میں نہ صرف اس سرگرمی کو قبول کرنے کے لیے قانون میں تبدیلی کی گئی ہے، بلکہ اسے نئے سرے سے ایک بنیادی حق کے طور پر متعین کر دیا گیا ہے۔ مزید قانون سازی نے ہم جنس پرستوں کو شادی اور گود لینے کے حقوق کی اجازت بھی دے دی ہے۔ اس طرح مغربی قوانین کی وقت کے ساتھ تبدیل ہونے کی فطرت واضح ہے۔ SNC جمہوریت کے نظام کو فروغ دیتا ہے جس کی وجہ سے جمہوریت کی تاریخی ترقی نصابی کتب میں شامل کر دی گئی ہے۔ اسے ایک مسلسل ارتقاء

کرتے ہوئے نظام کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو معاشرے میں بہتری لاتا ہے۔SNC کے مطابق ایک اچھا شہری وہ ہے جو جمہوریت کی پیروی کرتا ہے اور حکومت کی بہترین شکل کے طور پر اس کی تشہیر کرتا ہے اور سیکولرازم، آزادی اور جمہوریت کی اقدار پر یقین رکھتا ہے جو سب مغربی نظریے کے بنیادی ستون ہیں۔

SNC مسلمانوں کے نظامِ خلافت کے بارے میں ذکر نہیں کرتا، جس میں حاکمیت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہے اور قوانین وقت اور جگہ کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتے۔ حکمرانی کی بنیاد قرآن اور سنت ہے، جس میں نئے معاملات پر اصولوں کی بنیاد پر اجتہاد کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ قوانین زمان و مکان کی وجہ سے تبدیل نہیں ہوتے۔ اسلام کے مطابق شہری کا تصور وہ ہے جو اسلامی خلافت کے سائے میں رہتا ہے۔ خلافت کے اندر کے رہنے والے شہری مسلمان بھی ہو سکتے ہیں اور غیر مسلم بھی۔ ان کا تعلق کسی بھی نسل سے ہو سکتا ہے۔ غیر مسلم شہریوں کو اہل ذمہ، یعنی معاہدے کے لوگ کہا جاتا ہے۔ وہ معاہدہ کرتے ہیں کہ ریاست کے قوانین کی اطاعت کریں گے اور بدلے میں ریاست ان کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کرے گی۔ اسلامی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے جو ثابت کرتی ہے کہ خلافت وہ واحد حقیقی ریاست تھی جس نے اپنے شہریوں کے حقوق کا تحفظ کیا۔ کوئی دوسری آئیڈیالوجی ایسا نہیں کر سکی۔ اسلامی آئیڈیالوجی کی کامیابی مسلم حکمرانوں کے تقویٰ کے تصور کی وجہ سے تھی، جو اہل ذمہ کے تحفظ کو اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے۔ یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی پر مبنی سنت سے پروان چڑھا ہے۔

ہم پر یہ فرض ہے کہ ہم اہلِ ذمہ کو وہ تحفظ دیں جو مسلمانوں کو حاصل ہے، جس کی وجہ رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ ہیں **«أَلا مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهِدًا لَهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ فَقَدْ أَخْفَرَ بِذِمَّةِ اللَّهِ، فَلا يُرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ سَبْعِينَ خَرِيفًا» "بے شک جو شخص کسی معاہد کو قتل کرتا ہے یعنی جس کو اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عہدِ امان حاصل ہے، تو اس نے اللہ کے ساتھ عہد اور اس کے رسول کے عہد کی خلاف ورزی کی ہے اور وہ جنت کی خوشبو تک نہیں سونگھے گا۔ اگرچہ اس کی خوشبو ستر سالوں کی مسافت سے محسوس کی جاسکتی ہے"**، ترمذی نے نقل کیا۔ اور بخاری نے اسے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا، **«مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ**

مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا» "جس نے کسی معاہد کو قتل کیا (جس کو مسلمانوں نے تحفظ کا عہد دیا ہوا ہو) وہ جنت کی خوشبو تک نہیں سونگھے گا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کے فاصلے پر سونگھی جاسکتی ہے"۔

کافر اہلِ ذمہ کے وہی حقوق ہوتے ہیں جو مسلمانوں کو ان کے معاملات کو سنبھالنے اور اپنی زندگی کو محفوظ بنانے کے حوالے سے حاصل ہیں۔ ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أَطْعِمُوا الْجَائِعَ، وَعُودُوا الْمَرِيضَ، وَفُكُّوا الْعَانِيَ "بھوکے کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی عیادت کرو اور قیدی کو (تاوان ادا کرکے) رہائی دلاؤ" بخاری۔ اور اپنی سنن میں ابو داؤد کی روایت ہے «عَلَى أَنْ لاَ تُهْدَمَ لَهُمْ بَيْعَةٌ، وَلاَ يُخْرَجَ لَهُمْ قَسٌّ، وَلاَ يُفْتَنُوا عَنْ دِينِهِمْ مَا لَمْ يُحْدِثُوا حَدَثًا أَوْ يَأْكُلُوا الرِّبَا» "ان کا کوئی چرچ مسمار نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کا کوئی پادری نکالا جائے گا۔ ان کے مذہب میں کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی (کہ انھیں زبردستی ان کے عقیدے سے دور کیا جائے) جب تک وہ ہمارے معاملے میں کوئی ایسی چیز متعارف نہ کرائیں جو اس میں سے نہیں یا سود لیں"۔

رسول اللہ ﷺ ان کے بیماروں کی عیادت کرتے تھے، جیسا کہ بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، «كَانَ غُلاَمٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَمَرِضَ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَعُودُهُ، فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَقَالَ لَهُ أَسْلِمْ . فَنَظَرَ إِلَى أَبِيهِ وَهْوَ عِنْدَهُ فَقَالَ لَهُ أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ صلى الله عليه وسلم. فَأَسْلَمَ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَهْوَ يَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ» "ایک نوجوان یہودی لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرتا تھا، وہ بیمار ہو گیا۔ چنانچہ نبی ﷺ اس سے ملنے گئے۔ آپ ﷺ اس کے سرہانے بیٹھے اور اسے اسلام قبول کرنے کے لیے کہا۔ لڑکے نے اپنے والد کی طرف دیکھا، جو وہاں بیٹھا ہوئے تھا؛ اس نے کہا کہ ابو قاسم کی اطاعت کرو اور لڑکے نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ یہ کہتے ہوئے باہر آئے: تمام تعریفیں اس اللہ کی ہیں جس نے اس لڑکے کو آگ سے بچا لیا"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفار سے ملنے، ان کے ساتھ شائستہ اور ملنسار رہنے کی اجازت ہے۔

بخاری نے عمرو بن میمون سے، انھوں نے عمر بن خطابؓ سے روایت کیا جنھوں نے اپنی موت کے وقت مشورہ دیا، "اور میں اپنے بعد خلیفہ کو یہ اور یہ مشورہ دیتا ہوں، اور اسے مشورہ دیتا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول کی قسم، وہ اہلِ ذمہ کے عہد کو پورا کرے، ان کی خاطر لڑے اور انہیں ان کی طاقت سے زیادہ کام کرنے پر مجبور نہ کرے"۔

اسلام کے اولین ادوار کے علماء نے اس طرح مسلمانوں پر ذمیوں کے حقوق کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مشہور مالکی فقیہ، شہاب الدین القرافی فرماتے ہیں: "تحفظ کا عہد ہم پر اہلِ ذمہ کی کچھ ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔ وہ ہمارے پڑوسی ہیں، ہماری پناہ اور حفاظت میں ہیں، اللہ، اس کے رسول ﷺ اور دینِ اسلام کی ضمانت پر ہیں۔ جو کوئی ان میں سے کسی ایک کے ساتھ، ان کے بارے میں طے کردہ ذمہ داریوں، کی خلاف ورزی کرتا ہے، چاہے صرف گالی دے کر ہی اس کی ساکھ کو بدنام کرتا ہے، یا اسے کوئی چوٹ پہنچاتا ہے یا اس میں کسی کی مدد کرتا ہے، اس نے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور دین کی ضمانت کی خلاف ورزی کی ہے"۔

## موضوع نمبر 1-شہریت: معیار 1-انسانی حقوق-اقوام متحدہ کے بیان کردہ بنیادی انسانی حقوق کی پہچان کریں۔

نصاب میں بیان کردہ یہ معیار واضح طور پر اقوام متحدہ کے ایجنڈے کے مطابق ہے جیسا کہ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے اعلامیہ (UNDHR) کی شق 18 جس میں کہا گیا ہے کہ: ہر ایک کو سوچ، ضمیر اور مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں اپنے مذہب یا عقیدے کو تبدیل کرنے، اپنے مذہب یا عقیدے کی ترویج خواہ یہ اکیلے ہو یا معاشرے میں دوسروں کے ساتھ، عوامی سطح پر ہو یا نجی طور پر، عمل، عبادت اور مشاہدے کی آزادی شامل ہے۔

UNDHR میں زیر بحث انسانی حقوق مسلمانوں کے لیے معیار نہیں ہو سکتے۔ اسلام نے اپنے عقیدے کے مطابق حقوق کا تعین کیا ہے۔ ایک بار جب ایک مسلمان ایک فکری عقیدہ قائم کر لیتا ہے، تو اس کے خیالات، اقدار اور جذبات اسلام کے معیار کی بناء پر متعین ہوتے ہیں، جس سے وہ ایک ممتاز اسلامی شخصیت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اسلام اپنے بنیادی افکار پر سوال اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا، اور بحث یا اختلاف رائے کی اجازت صرف مباح معاملات تک محدود ہے۔ اسلام عقائد پر عمل کرنے کے معاملے میں اپنے شہریوں کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور خلیفہ کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ شریعت کی طرف سے دیے گئے تمام حقوق کی حفاظت کرے۔

**()موضوع نمبر 1-شہریت: معیار 1- تنوع(diversity)اور رواداری—اس بات کا ادراک کریں کہ تمام افراد کو مساوی حقوق حاصل ہیں، چاہے کسی بھی طرح کے مذہبی اور نسلی اختلافات ہوں، اور رائے میں انفرادی اختلافات کا احترام کرنا سیکھیں۔**

تنوع اور رواداری جمہوری معاشروں کی بنیاد سمجھے جاتے ہیں۔ یہاں رواداری اور کسی بھی نظریے یا مذہب کو اختیار کرنے کا حق بہت اہمیت رکھتا ہے۔ مغربی ممالک خود کو جمہوریت اور آزادی کے لیے مثالی نمونہ سمجھتے ہیں۔ تاہم، یورپ میں اسلامی اقدار کے حوالے سے عدم برداشت کے رویے نے ان انسانوں کے بنائے ہوئے ناقص خیالات کے تضاد کو بے نقاب کر دیا ہے۔ یورپی ممالک میں برقع، چہرے کے نقاب اور میناروں پر پابندی غیر مغربی مذاہب اور ثقافتوں کے لیے عدم برداشت کی مثالیں ہیں۔ مغربی میڈیا مسلمانوں اور اسلام کے خلاف نفرت انگیز تقریروں سے بھرا ہوا ہے اور عدم برداشت کی فضا پیدا کر رہا ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف پر تشدد جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ممتاز مغربی رہنما اور سیاستدان اسلام سے اپنی نفرت کو روکے نہیں رکھتے بلکہ وہ اسلامی آئیڈیالوجی کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے جو نفرت اور عدم برداشت کا باعث بنتا ہے۔ اسلامی لباس پر پابندی مسلمانوں کو مغربی ثقافت میں ضم ہونے پر مجبور کرتی ہے جس سے تنوع diversity کے تصور کا جھوٹ ثابت ہو جاتا ہے جسے مغرب فروغ تو دیتا ہے، لیکن اس پر عمل نہیں کرتا۔

اسلام کے مطابق لوگوں کے عقائد کو طاقت کے زور پر تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام نے اپنے تمام شہریوں کو عقیدہ یا نسل سے قطع نظر تحفظ فراہم کیا۔ اسلام اپنے غیر مسلم شہریوں کو ان کے گھروں میں ان کے عقائد پر عمل کرنے کی اجازت دیتا ہے، تاہم انہیں اس بات کی اجازت نہیں ہوتی کہ وہ معاشرے میں اپنے عقیدے کی ترویج کریں۔ اسلام سے پہلے، وہ سلطنتیں جو قوموں کو فتح کرتی تھیں وہ لوگوں پر ظلم کرتی تھیں اور انہیں اپنے طرز زندگی پر چلنے کیلئے مجبور کرتی تھیں۔ مغربی آئیڈیالوجی بھی امریکہ کی مقامی آبادی اور آسٹریلیا کے باشندوں کی نسل کشی کے لیے مشہور ہے۔ یہ مغربی نظریہ ہے جو تنوع کو برداشت نہیں کرتا تھا۔ عیسائی مشنریوں کو افریقہ، ایشیا، لاطینی امریکہ اور جنوبی امریکہ بھیجا گیا تاکہ لوگوں کو عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔ مغرب کا یہ بیانیہ کہ وہ ایک متنوع اور روادار معاشرہ پیدا کرتا

ہے، بالکل جھوٹ ہے جسے امریکہ میں حالیہ Black Lives Matter تحریک نے بھی بے نقاب کر دیا ہے۔ جمہوریت کے 300 سال بعد بھی امریکہ اپنے شہریوں کو مساوی حقوق نہیں دیتا۔

امت مسلمہ کے لیے 'تنوع اور رواداری' میں پوشیدہ خطرہ یہ ہے کہ اسے اسلام کے عقیدہ پر حملہ کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خبر دار کیا کہ کچھ لوگ اسلام کے حقیقی عقیدے سے ہٹ جائیں گے۔ عباسی خلافت کے دوران، جب معتزلہ نے غلط عقائد کو اختیار کیا تو علماء نے ان کو چیلنج کیا اور انہیں عقائد کی فروعات میں مسلمانوں کو اپنی رائے پر مجبور کرنے سے روکا۔ جو لوگ حدیثیں گھڑتے تھے ان کے ساتھ محدثین کے دور میں نمٹا گیا جنہوں نے علمِ حدیث میں ترقی کے ذریعے اسلام کی حفاظت کی۔ اسلامی حکومت کے 1300 سالوں کے دوران، اسلام کے عقیدے اور نظاموں کو امت، علماء اور حکمرانوں نے محفوظ رکھا۔ شریعت ایک مسلمان کو مرتد ہونے سے روک کر اسلامی عقیدے کی حفاظت کرتی ہے۔ مرتدین کے ساتھ سختی سے نمٹا جاتا ہے اور موت کی سزا کی حد کا اطلاق ہوتا تھا جب تک کہ وہ توبہ نہ کریں۔ اس طرح اسلامی عقیدے کی بالادستی برقرار رہتی تھی۔ اسلام فقہ میں صرف اس نص میں اختلاف کی اجازت دیتا ہے جو اپنے معنی میں غیر قطعی (ظنی) یا اپنے ثبوت میں ظنی ہو۔ اسلام کسی کو اسلام کا عقیدہ تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام مسلمانوں کو اپنے دین کو تبدیل کرنے اور قطعی احکامات کو ترک کرنے سے بھی منع کرتا ہے۔

**موضوع نمبر 1- شہریت: معیار 1- اظہارِ رائے کی آزادی کی اہمیت کی وضاحت کریں۔**

آزادئ اظہار ایک اور جھوٹ ہے جو خاص طور پر 9/11 کے بعد بے نقاب ہو چکا ہے۔ جو بھی دہشت گردی کے خلاف جنگ پر سوال اٹھاتا ہے اسے انتہا پسند قرار دے دیا جاتا ہے۔ مغرب میں سینکڑوں افراد کو ان کی رائے اور اظہار کی آزادی کی وجہ سے گرفتار کیا گیا اور حراست میں لیا گیا جو کہ مغربی حکومتوں کے بیانیے کے خلاف تھی۔ ہولوکاسٹ کے خلاف بولنا، اور اس کے حقائق پر سوال اٹھانے کے ساتھ ساتھ ایک یہود ریاست کی وجود کی بحث کو اٹھانے کو یہود مخالف (anti-Semitic) کا لیبل لگا دیا جاتا ہے اور اس نظریے کے حامیوں کو جیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی معاشرہ بغیر کسی پابندی کے اپنے شہریوں کو آزادئ اظہار کی اجازت نہیں دے سکتا۔

آزادیٔ اظہار بھی ایک معیار ہے جسے مغرب ترقی کو ماپنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔اسلام مسلمانوں کے قول و فعل کو پابند کرتا ہے اور ان کو اس حد تک محدود رکھتا ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کیلئے قابل قبول ہے۔ SNC سیکولر ذہن رکھنے والے افراد کے لیے دروازہ کھول دے گا کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کو تختۂ مشق بنانا شروع کر دیں اور اس طرح اگلی نسل کو اسلامی تصورات کے بارے میں کنفیوژ کریں۔ یہ پہلے ہی اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں واضح ہے، جہاں سیکولر اور اسلام پسند طالب علموں کے درمیان تقسیم واضح ہو چکی ہے۔

**موضوع نمبر 1 - شہریت: معیار 1 - امن اور تنازعات سے نبٹنا - گھر اور اسکول میں تنازعات کو حل کرنے کے لیے بحث اور مذاکرات کی اہمیت کو سمجھیں۔**

پاکستان میں مصنوعی اقوامِ متحدہ (Mock United Nations) خاص طور پر نجی اسکولوں کی سالانہ سرگرمیوں میں ایک مشہور سرگرمی ہے جس میں طلباء کو اقوام متحدہ کے انداز میں متنازعہ مسائل پر بحث کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ بحث کے لیے ہدایات کے دو اصول ہیں - ایک یہ کہ مذہبی احکامات دلیل کا حصہ نہیں بن سکتے اور دوسرا یہ کہ آپ کو کسی تصور کی وکالت کرنی ہے چاہے آپ اس پر یقین نہ بھی رکھتے ہوں۔ یہ بنیادی تصورات اس سوچ کو فروغ دیتے ہیں کہ کچھ بھی مطلقاً (absolute) سچ یا جھوٹ نہیں ہے، ہر شخص کوئی بھی عقیدہ رکھ سکتا ہے اور اس کا برملا اظہار کر سکتا ہے۔اس طرح، رائے اور اظہار کی آزادی کو بغیر کسی پابندی کے ایک عالمی قدر کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔تاہم، جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مغربی نظریات میں تضادات کا مطلب یہ ہے کہ مغرب کو ہمیشہ یہ محسوس ہو گا کہ ان اصولوں سے استثنیٰ exception پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کے طور پر جہاد کی بات کرنا مغرب میں گرفتاری کا باعث بن سکتا ہے۔ لہٰذا SNC یہ پرچار کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ مغرب کے پاس امن کو فروغ دینے کے لیے بہترین ذرائع موجود ہیں اور وہ اس تصور کو عالمگیر بنانے کی کوشش کرے گا۔ مذاکرات اور امن کے عمل مغربی خارجہ پالیسی کی ایک خصوصیت بن چکے ہیں اور انہیں امن لانے کے بہترین طریقے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ قابض یہودی وجود کے ساتھ تعلقات کو معمول بنانا اور امریکہ کے ساتھ افغان جنگجوؤں کی مفاہمت کچھ مثالیں ہیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ تنازعات کو حل کرنے کے اس تصور کو مسترد کرنا کتنا

اہم ہے، کیونکہ یہ مغربی خارجہ پالیسی کا ایک آلہ ہے۔ اسلام کی امن کے بارے میں اپنی ہدایات ہیں، لیکن یہ اس عمل میں مسلمانوں پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، ﴿وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ﴾ **"اور ان کو جہاں پاؤ قتل کردو اور جہاں سے انہوں نے تمھیں نکالا ہے وہاں سے تم بھی ان کو نکال دو"**(البقرۃ 2: 191)۔ لہذا اسلام میں امن اور تنازعات کے حل کا تعین اسلام ہی کرے گا نہ کہ اقوامِ متحدہ کے باطل تصوارت۔

**موضوع نمبر 1 - شہریت: معیار 1 - عام آداب - آج کی مہذب دنیا میں عام آداب کو پہچانیں اور ان پر عمل کریں۔**

مغرب مہذب ہونے پر فخر کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ فحاشی اور بے حیائی کے عام ہونے کے ساتھ کیسے مہذب ہے؟ یہ کیسے مہذب ہے جب اس کے اپنے شہری بھوکے اور غیر محفوظ ہیں؟ یہ کیسے مہذب ہے جب یہ جنگوں میں ممنوعہ ہتھیار استعمال کرتا ہے؟ یہ کیسے مہذب ہے جب یہ اپنے قوانین کو توڑتا ہے اور دوسری قوموں پر حملہ کرتا ہے جس کے نتیجے میں کئی سالوں پر محیط جنگ ہوتی ہے اور شہر، قصبے اور فطرت مکمل تباہ ہو جاتے ہیں؟ SNC مغربی تہذیب کو ایک معیار کے طور پر رکھنا چاہتا ہے اور مغربی عقائد اور افکار کو عالمگیر (universal) بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔

معاشرتی علوم کے نصاب کے حصوں کا یہ مختصر تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ پاکستان کے بچوں کو ایک نئی شناخت دی جا رہی ہے۔ یہ عالمگیر شہری کی شناخت ہے۔ یہ شناخت کمزور مغربی تصورات پر قائم کی گئی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ مسلمان پروان چڑھیں گے جو جھوٹے مغربی نظریات کو فروغ دیں گے اور امت کو اسلامی آئیڈیالوجی سے منحرف کریں گے۔ مسلم علاقوں میں تعلیمی نصاب اسلام کے عقیدے اور اقدار کا عکس ہونا چاہیے۔ طلباء کو اس کی اقدار میں ڈوبا ہونا چاہیے اور اپنے ورثے پر فخر کرنا چاہیے اور ان کو اسلامی نقطہ نظر سے شہریت کے تصورات سکھائے جانے چاہئیں۔ اسلام اسلامی ریاست کے اچھے مسلمان شہری کی تعریف یوں کرتا ہے کہ جو اسلامی عقیدہ میں پختہ یقین رکھتا ہو، اسلامی شخصیت کا حامل ہو اور اسلامی آئیڈیالوجی کی حفاظت چاہتا ہو۔ مسلمان شہری

حکمرانوں کا محاسبہ کرتا ہے، معاشرے میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے اسلامی اقدار کی حفاظت کرتا ہے ۔یہ مسلمان شہری اس بات کا ادراک رکھتا ہے کہ اسے اہلِ ذمہ کی حفاظت اللہ کی عبادت کے طور پر کرنی ہے۔وہ سمجھتا ہے کہ اسے صحیح آئیڈیالوجی کو دنیا میں پھیلانے اور مغربی آئیڈیالوجی کے اندھیروں سے انسانیت کو نجات دلانے کے لیے اسلامی ریاست کی توسیع کی حمایت کرنی ہے۔SNC کو مسترد کرنا اور ریاستِ خلافت کے قیام کا مطالبہ کرنا ضروری ہے، جو اسلامی عقیدے پر مبنی تعلیمی نصاب کو یقینی بنائے گی۔

فہرست

# اُن کی مثال جو اللہ کی حدود کو قائم کرتے ہیں اور وہ جواِن حدود سے تجاوز کرتے ہیں

## الواعی میگزین شمارہ 382 سے ترجمہ

نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے ، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "((مَثَلُ القَائِمِ في حُدُودِ اللَّه والْوَاقِعِ فيها ، كَمثل قَومٍ اسْتَهَموا على سَفِينَةٍ ، فَأَصاب بَعْضُهم أعْلاهَا ، وبعضُهم أَسْفلَهَا ، فكان الَّذي في أَسفلها إذا استَقَوْا من الماء مَرُّوا على مَنْ فَوقَهمْ ، فقالوا لو أنا خَرَقْنا في نَصِيبِنَا خَرقا ولَمْ نُؤذِ مَنْ فَوقَنا ؟ فإن تَرَكُوهُمْ وما أَرَادوا هَلَكوا وهلكوا جَميعا ، وإنْ أخذُوا على أيديهِمْ نَجَوْا ونَجَوْا جَميعا))"جو لوگ اللہ کی حدود کو قائم کرتے ہیں اور وہ جواِن حدود سے تجاوز کرتے ہیں، اُن کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کچھ لوگ کشتی میں سوار ہوئے اور وہ آپس میں قرعہ اندازی کریں، کچھ افراد کے نام کشتی کا بالائی حصہ نکلے اور کچھ افراد کے نام کشتی کا نچلا حصہ، نچلے حصہ میں سوار افراد کو پانی حاصل کرنے کے لئے اوپر والے حصہ سے گزرنا پڑتا ہے لہٰذا وہ آپس میں کہتے ہیں کیوں نہ ہم نچلے حصہ میں ہی ایک سوراخ کرلیں اور یہیں سے پانی حاصل کیا کریں تاکہ اوپر والوں کو کوئی دِقّت نہ ہو؟، تو اگر اوپر والے لوگوں نے اِنہیں چھوڑ دیا اور ایسا کرنے دیا تو کشتی مع تمام سواریوں کے ڈوب جائیگی، البتّہ اگر وہ اِنہیں ایسا کرنے سے روک دیں تو کشتی کے تمام سوار بچ جائیں گے" (بخاری)۔

یہ حدیث ایک جامع معنی و مفہوم کی حامل اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تعلق سے ایک وسیع باب فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے کی صورتِ حال کی عکاسی بھی کرتی ہے، جس میں عموماً گناہوں کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ معاشرے کی کشتی صرف اسی صورت سلامت رہ سکتی ہے اگر پورا معاشرہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات پر ثابت قدمی کے ساتھ عمل پیرا ہو۔ یہ کشتی استقامت سے نجات پاتی ہے اور معصیت اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزیوں سے ڈوب جاتی ہے، یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اسلامی معاشرے کے لیے ایک سلطان (اتھارٹی) کی ضرورت ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اوامر اور اس کی حدود کو قائم کرے اور اُن کے ذریعے معاشرے کی نگرانی کرے۔

پس آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا: **(القائم فی حدود الله)**، **"اللہ کے حدود کو قائم کرنے والا"**، گویا کشتی چلانے والا ہے، جو اللہ کی حدود کی حفاظت اور دفاع کر کے معاشرے کے تمام اچھے برے لوگوں کی زندگیوں کو محفوظ بناتا ہے، وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذریعے ہر بیوقوف کو کشتی میں سوراخ کرنے اور اس کو غرق کردینے سے روکتا ہے، یہ مستقل انداز میں صرف ایک خلیفہ کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس قول میں بتلایا ہے کہ **(الامام جُنَّۃ)**، **"امام ایک ڈھال ہے"** (مسلم)۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ: **(الواقع فیھا)**، **"ان سے تجاوز کرنے والا"**، اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ عزوجل کی حدود کو پامال کرتا ہے، حرام عمل کرتا ہے، اپنی خواہشات پر چلتا ہے، اور اس خلاف ورزی پر دلیری دکھاتا ہے۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد: **((كمثل قوم استهموا على سفينة؛ فأصاب بعضهم أعلاها وبعضهم أسفلها))**، **"جیسے کچھ لوگ جو ایک کشتی پر آپس میں قرعہ اندازی کریں، چنانچہ بعض کے نام کشتی کا بالائی حصہ نکلے اور بعض کے نام نچلا حصہ"**۔ یہ الفاظ معاشرے کی ساخت سے متعلق تصویر کشی کرتے ہیں، یعنی جو معنی رسول اللہ ﷺ سمجھانا چاہتے ہیں، اس معنی کو انسانی ذہن کے سامنے لا کھڑا کر دیتے ہیں، اس مثال کو اسلام کیلئے کام کرنے والے حاملینِ دعوت بہترین طور پر سمجھتے ہیں، اس میں لفظ (استھام) کے معنی ہیں: کشتی میں سوار ہونے والے آپس میں قرعہ اندازی کریں، (یعنی معاشرے کی کشتی)۔ اس کشتی کی دو منزلیں ہیں، چنانچہ وہ قرعہ ڈال دیتے ہیں اور ان کے حصے نکل آتے ہیں۔ ایک فریق اوپر والی منزل میں اور دوسرا نچلی میں، یعنی بعض کا حق اوپر کے حصے میں اور بعض کا نچلے حصے میں ہو جاتا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد: **((وكان الذين في أسفلها إذا استقوا من الماء مروا على من فوقهم، فقالوا: لو أنا خرقنا في نصيبنا خرقًا ولم نؤذِ مَن فوقنا))**، **"نچلے حصے میں سوار افراد کو پانی حاصل کرنے کے لئے اوپر والے حصے سے گزرنا پڑتا ہے لہٰذا وہ آپس میں کہتے ہیں: کیوں نہ ہم نچلے حصے میں ہی ایک سوراخ کر لیں اور یہیں سے پانی حاصل کیا کریں تاکہ اوپر کے حصے والوں کو کوئی دِقّت نہ ہو"**۔ یعنی نچلے حصے کے لوگوں کو سمندر کا پانی حاصل کرنے کے لیے کشتی کی بالائی منزل پر چڑھ کر جانا پڑتا ہے، چنانچہ وہ آپس میں کہتے ہیں کہ

اوپر والے لوگ ہماری وجہ سے مشقت اٹھاتے ہیں، ان کو ہم نے مشغول کیے رکھا ہے، بار بار اوپر جانے سے ان کے لیے تنگی پیدا ہوتی ہے، چنانچہ اس مسئلے کے حل کے طور پر وہ یہ تجویز رکھ دیتے ہیں کہ کیوں نہ ہم اپنے حصے میں ایک سوراخ کرلیں، تاکہ سمندر سے براہ راست پانی لے سکیں گے، تو کیا اوپر والوں کو صرف اس وجہ سے انہیں ایسا کرنے دینا چاہیے ، کیونکہ وہ پانی لینے کے اپنے حق کو استعمال کر رہے ہیں، اور وسائل یا اسالیب کے استعمال میں آزاد ہیں؟ کیا ایسا ہونا چاہیے؟

آپ ﷺ کا قول ((**فإن تركوهم وما أرادوا هلكوا جميعًا، وإن أخذوا على أيديهم نجَوا ونجَوا جميعًا**))، **"تو اگر اوپر والے لوگوں نے اِنہیں چھوڑ دیا اور ایسا کرنے دیا تو کشتی مع تمام سواریوں کے ڈوب جائیگی، البتہ اگر وہ اِنہیں ایسا کرنے سے روک دیں تو کشتی کے تمام سوار بچ جائیں گے"**، یعنی اگر اوپر کی منزل والے ان کو یہ کام کرنے دے، تو کشتی کے اندر پانی چلا جائے گا، یوں سب ڈوب جائیں گے۔ لیکن اگر انہوں نے ان کو روکا اور ان کو منع کیا تو سب بچ جائیں گے۔ یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حدود کی بے حرمتی کرنے والا گناہ گار انسان جو کھلم کھلا معصیت کرتا ہو، اور لوگوں کی آنکھوں کے سامنے منکرات کرتا ہو، لوگوں کو اس کے ساتھ کیسا رویہ رکھنا چاہیے؟ کیا اس دلیل کی بنیاد پر کہ وہ جو چاہے کرنے کا حق اور آزادی رکھتا ہے، کیا لوگ اسے ایسا کرنے دیں، یہاں تک کہ پورا معاشرہ ہی غرق ہو جائے؟ اس کا جواب ہر عاقل شخص کیلئے واضح ہے، پس ایسے ہر ظالم کا ہاتھ روکنا ضروری ہے۔

**یہ حدیث جامع الفاظ پر مشتمل ہے جن میں کئی بیش قیمت موتی موجود ہیں:**

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے کشتی میں سوار لوگوں کو غربت وامارت یا نسل اور حسب ونسب کے اعتبار سے تقسیم نہیں کیا، بالکل نہیں، بلکہ اس حدیث میں اگر ایک دوسرے پر فضیلت کی بات آئی ہے تو یہ دو قسم کے لوگوں کے درمیان آئی ہے: یعنی **(القائم في حدود الله)**، **"وہ جو اللہ کی حدود کو قائم کرتا ہے"**، یعنی جو اللہ کی شریعت کا نفاذ کرنے والا ہو، جو اللہ کی ہدایت سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ اور دوسرا، **(الواقع فيها)**، **"جو ان (حدود) سے تجاوز کرتا ہو"**، یعنی جو اللہ کے دین کی خلاف ورزی کرتا ہے، اور حرام میں پڑتا ہے۔ تو حقیقی طاقت دنیاوی ساز وسامان سے

حاصل کی جاسکتی نہ ہی اُن دنیاوی اقدار سے جو اللہ سے کٹی ہوئی ہوں، حقیقی قوت اللہ سے حاصل ہوتی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان سے حاصل ہوتی ہے اور اس ایمان پر فخر کرنے سے حاصل ہوتی ہے، جیسے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَهِنُواْ وَلَا تَحْزَنُواْ وَأَنتُمُ ٱلْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ **"سست مت ہو، نہ غمگیں ہو اور تم ہی سر بلند ہوں گے، بشرطیکہ تم مومن ہو"**(آلِ عمران-139)۔ پس ایمان اور اللہ کے اوامر کی تعمیل ہی "بلندی" کا سرچشمہ ہے۔

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ اسلامی معاشرہ کا تمام شرعی احکامات کے نظام کی تنفیذ پر مبنی ہونا فرض ہے، اور معاشرہ صرف شرعی احکامات کی ہی تنفیذ کرے، دیگر کفریہ نظاموں کی نہیں، تاکہ معاشرہ ہلاکت سے بچ سکے، یہی مسلمانوں کی کشتی کی حقیقت ہے کہ اسے کیسا ہونا چاہئے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کشتی کے لیے کشتی چلانے والے کی ضرورت ہوتی ہے، جسے کشتی چلانا آتا ہو، یہ بطور تشبیہ کے ہے، یعنی معاشرے کے لیے ایسے شخص کی ضرورت ہے جس کے پاس حدود اللہ کی خلاف ورزی کرنے والوں کو منع کرنے اور ان کا ہاتھ روکنے کا اختیار ہو، جس کا مطلب ہے کہ اسلامی ریاست کے وجود سے چارہ کار نہیں۔

بلاشبہ معصیت جب کھل کر کی جائے تو یہ کرنے والے اور نہ کرنے والے دونوں کے لیے ضرر رساں ثابت ہوتی ہے، آخرت میں بھی ان کے لیے نقصان اور دنیا میں بھی زیاں کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَٱتَّقُواْ فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ ٱلَّذِينَ ظَلَمُواْ مِنكُمْ خَآصَّةً ۖ وَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ﴾ **"اور ڈرو اس وبال سے جو تم میں سے صرف ان لوگوں پر نہیں پڑے گا جنہوں نے ظلم کیا ہو گا۔ اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہے"**(الأنفال: 25)۔

حدیث سمجھاتی ہے کہ مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو شہوتوں میں بہہ کر بھٹکنے نہ دے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ اپنی اور دوسرے لوگوں کی نجات کا حریص ہو کر اپنے ہر ہر قدم کو حساب کے ساتھ اٹھائے اور ہر حرکت میں احتیاط کرے۔

بلا شبہ سارا معاشرہ ایک کشتی کی طرح ہے، جس میں نیک اور برے، بیدار اور غافل سب سوار ہوتے ہیں، اور یہ کشتی ان سب کو اٹھا کے ان کی منزل کی طرف لیے چلتی ہے، یہ کشتی اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والوں کی وجہ سے درست رہتی ہے اور معصیت اور نافرمانیوں سے اس میں اضطراب اور بے چینی پیدا ہوتی ہے۔

حدیث سمجھاتی ہے کہ کشتی کا یہ زندگی کا سفر جاری ہے اور اس کی ایک منزل ہے جس کی طرف یہ رواں دواں ہے، یقیناً اس کے لیے بالآخر کسی خشکی کی ضرورت بھی ہے جہاں یہ لنگرانداز ہو سکے، کیونکہ اس کیلئے یہ ممکن نہیں کہ اسی طرح مسلسل سمندر کے سینے پر رہ کر اسی کو اپنا مسکن بنائے رکھے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ معاشرے کا ایک مقصد ہونا بھی ضروری ہے جس کے حصول کے لیے وہ تگ و دو کرے۔ اضطراب کا انجام بالآخر دنیا و آخرت میں تباہی و بربادی ہے، اور استقامت کا انجام دنیا و آخرت میں نجات ہے، پہلی حالت والے اپنے آپ کو جہنم میں دھکیل دینے والے ہیں کیونکہ وہ اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرنے والے ہیں اور دوسری حالت والے اپنے آپ کو جنت میں لے جا کر اپنے آپ کو آگ سے آزادی دلانے والے ہیں، کیونکہ وہ اللہ کی حدود پر قائم ہیں۔

یقیناً دیگر احادیث بھی اس حدیث کی تائید میں آئی ہیں، جو اس کے مضمون کے موافق ہیں اور اس کی توثیق کرتی ہیں، پس نبی ﷺ سے جب زینب بنت ابی سلمہؓ نے پوچھا: "کیا ہم ہلاک ہو سکتے ہیں جبکہ ہمارے درمیان نیک لوگ بھی موجود ہوں"؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: **(نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ) "ہاں، جب خباثت غالب ہو جائے"** (مسلم)۔ یعنی جب فساد عام ہو جائے اور منکرات بڑھ جائیں، کیونکہ یہ معاشرے کی ہلاکت کی علامت ہے، ابو بکر صدیقؓ کو دیکھیے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿ **يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا ٱهْتَدَيْتُمْ** ﴾ **"اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو، اگر تم صحیح راستے پر ہو گے تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے"** (المائدۃ: 105)، کی کیسی تفسیر کی ہے اور کس طرح مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے۔

پس اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ابو بکرؓ نے فرمایا: "لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو، اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ، **(إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمْ اللَّهُ بِعِقَابِهِ) "جب لوگ ظالم کو (ظلم کرتا ہوا) دیکھ لیں اور وہ اس کا ہاتھ نہ روکیں، تو عنقریب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے سب پر عذاب بھیج دے گا"**۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:( **إذا رايت أمتي تهاب فلا تقول للظالم يا ظالم فقد تودع منهم**)**"جب تم دیکھو کہ میری امت کے لوگوں نے مارے خوف کے ظالم کو ظالم کہنا چھوڑ دیا ہے تو انہیں چھوڑ دو (کہ ان میں کوئی خیر باقی نہیں)"(احمد، مستدرک حاکم، طبرانی)**۔ اور رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد(**لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، أَوْ لَيُسَلِّطَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ شِرَارَكُمْ، ثُمَّ يَدْعُو خِيَارُكُمْ فَلا يُسْتَجَابُ لَكُمْ**)**"تم ضرور نیکیوں کا حکم کروگے اور برائیوں سے روکو گے، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے برے لوگوں کو مسلط کردے گا، اور تمہارے اچھوں کا ساتھ دینا چھوڑ دے گا، پس ان کی دعائیں بھی قبول نہ ہوں گی"**(طبرانی کی المعجم الکبیر)۔ اور ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:( **مُرُوا بِالْمَعْرُوفِ ، وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ، قَبْلَ أَنْ تَدْعُونِي ، فَلَا أُجِيبُكُمْ ، وَتَسْأَلُونِي فَلَا أُعْطِيكُمْ ، وَتَسْتَنْصِرُونِي فَلَا أَنْصُرُكُمْ**)**" نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکو، قبل اس کے کہ تم پھر مجھے پکارو اور میں تمہاری دعا قبول نہ کروں اور تم مجھ سے مانگو اور میں نہ دوں، اور تم مجھ مدد طلب کرو اور میں تمہاری مدد نہ کروں"**۔

یہ حدیث مبارک ان تمام افکار سے مکمل طور پر ٹکراتی ہے جن کو مغرب مسلمانوں کے درمیان رائج کرنے کی کوشش کر رہا ہے، کہ ہر انسان آزاد ہے، اور جو شخص معاشرے میں موجود بے راہ رویوں اور منکرات کو روکتا ہو اس کو یہ الزام دیتا ہے کہ وہ فضول کام میں لگا ہے، اور بلا وجہ لوگوں کے امور میں مداخلت کرتا ہے، ان کی ذاتی زندگی میں مداخلت کرتا ہے، وغیرہ۔ جب منکر واضح ہو جائے تو اس کو بقدر وسعت روکنا استطاعت رکھنے والوں کیلئے ضروری ہے، ورنہ کشتی ڈوب جائے گی۔ پس معاشرے کے لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی صفت لازمی و ضروری ہے، یہ بات آج کل کے رائج افکار جیسے شخصی آزادی ، اظہارِ رائے کی آزادی ،آزادیٔ ملکیت اور اس کے علاوہ میل جول کی آزادی والے افکار کے برعکس ہے جو انسان کو عزتوں کو پامال کرنے ، گناہ، فسق و فجور اور کفر کی طرف دعوت دینے کی اجازت دیتے ہیں، جس پر کوئی روک ٹوک بھی نہ ہو، کیونکہ مغرب ان کو ایک شخص کا حق سمجھتا ہے اور ایسا کرتے وقت اسے آئینی اور قانونی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ یہ حدیث ایسے تمام افکار سے متصادم ہے۔

فہرست

# زنا بالجبر کی وجہ- تشدد، طاقت کا اظہار یا بھٹکی ہوئی جنسیت؟

علی عبداللہ- پاکستان

زنا بالجبر کے واقعات میں اضافہ ایک سلگتا ہوا معاشرتی مسئلہ ہے، جس کی روک تھام کے متعلق وقتاً فوقتاً میڈیا پر بحث اُس وقت جنم لیتی ہے جب ایسا افسوسناک واقعہ میڈیا میں رپورٹ ہوتا ہے۔ پھر جب سوشل اور الیکٹرانک میڈیا پر اس مسئلے حل کے متعلق آراء کے مابین بحث بہت شدت اختیار کر لیتی ہے تو حکمران کچھ بیانات جاری کرتے ہیں اور پھر حکومتی عہدیدار اور حکمران اس سنگین مسئلے سے یوں غافل ہو جاتے ہیں کہ گویا کوئی مسئلہ موجود ہی نہ تھا۔ زنا بالجبر کے واقعات کی سنگینی صرف پاکستان میں دکھائی نہیں دیتی بلکہ مشرق و مغرب بھی اس کی لپیٹ میں ہیں، اس مسئلے کی گھمبیر صورتحال کا اندازہ درج ذیل اعداد و شمار سے لگایا جا سکتا ہے:

1. WHO کے مطابق، 2014 میں برطانیہ میں کل آبادی کا 7 فیصد جنسی تشدد کا شکار ہوا اور اس میں اکثریت خواتین کی ہے۔ اور یہ شرح ہر سال بڑھ رہی ہے۔

2. امریکہ میں جنسی تشدد کے خلاف کام کرنے والی سب سے بڑی تنظیم RAINN.org، جو امریکی حکومت کو بھی اپنی خدمات فراہم کرتی ہے، کے اعداد و شمار کے مطابق امریکہ کی ہر 6 میں سے 1 لڑکی زنا بالجبر کے حملے یا زیادتی کا شکار ہوتی ہے اور یہ صورتحال مزید گھمبیر ہو رہی ہے۔ جبکہ ہر 33 میں سے 1 لڑکا زنا بالجبر کا شکار ہوتا ہے۔

3. پاکستان میں 2014ء سے 2017ء تک 10 ہزار زنا بالجبر کے کیسز رپورٹ ہوئے جو کہ مزید بڑھ رہے ہیں (جیو رپورٹ)۔

4. انٹرنیشنل دی نیوز کے مطابق بڑے شہروں میں زنا بالجبر کے کیسز میں 2014ء سے 2020ء کے دوران تیزی سے اضافہ واقع ہوا ہے۔

پاکستان کے ایک مختصر مگر اثر رسوخ رکھنے والے گروہ کے مطابق زنا بالجبر کی وجہ معاشرے میں مردوں کی بالادستی اور عورتوں کو معاشرے میں برابری کا مقام حاصل نہ ہونا ہے جس کی وجہ سے جنسی بھوک کے حامل مرد اپنی

بالادستی، زبردستی اور طاقت کے بل بوتے پر عورتوں سے جنسی تسکین حاصل کرتے ہیں۔ اس گروہ کے نزدیک زنا بالجبر کا تعلق عریانی یا کسی مخصوص تصورات سے بالکل نہیں ہے، بلکہ یہ ٹولہ اس بات میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ مرد و عورت اپنی رضامندی و اختیار سے نکاح کے بغیر تعلق قائم کریں۔ لہذا جب کوئی عریانی کی روک تھام یا مغرب زدہ عورتوں کے لباس کی بات کرتا ہے تو وہ اس شخص کو جبری زناکار کا ہمدرد کہہ کر مجرم کے ساتھ کھڑا کر دیتے ہیں۔

جب ہم اس بیانیے کا بغور مشاہدہ کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ یہ بیانیہ نہ صرف سطحیت پر مبنی ہے بلکہ اس میں حقیقت کو مسخ اور اس کا نامکمل احاطہ کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ یہ بیانیہ مغربی نقطۂ نظر سے متاثر ہے جو انسانی فطرت اور معاشرے کو لبرل ازم کے گمراہ کن تصورات کی عینک سے دیکھتا ہے۔

اگر ہم زنا بالجبر سمیت معاشرے میں رونما ہونے والے جرائم اور ان کے سدباب کے متعلق درست فہم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں انسانی فطرت اور معاشرے کی تشکیل کے متعلق درست سمجھ حاصل کرنا ہوگی، وہ فطرت کہ جس پر انسانوں کے خالق نے انہیں تخلیق کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو، چاہے مرد ہو یا عورت، ایک متعین فطرت پر پیدا کیا ہے اور نسلِ انسانی کی بقا کا دارومدار ان دونوں کے ملاپ پر رکھا ہے۔ مرد و عورت دونوں میں انسان ہونے کی تمام تر خصوصیات اور زندگی کے لوازمات موجود ہیں۔ وہ خصوصیات یہ ہیں کہ ہر انسان مرد و عورت صاحبِ عقل ہے اور اس کی سوچ اس کے عمل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی انسان کی فطرت میں سے ہے کہ ہر انسان میں کچھ ایسی حاجات ہیں کہ جنہیں پورا نہ کیا جائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا جیسا کہ کوئی بھی انسان پیٹ کی بھوک مٹائے بغیر، رفع حاجت کے بغیر اور سانس لیے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا۔ ان لازمی حاجات کے علاوہ اللہ نے انسان میں کچھ ایسی جبلتیں بھی رکھی ہیں کہ جن کے پورا نہ ہونے سے انسان مرتا تو نہیں مگر بے چین رہتا ہے۔ جنسی جبلت ان جبلتوں میں سے ایک ہے۔ انسان کی فطرت کے یہ حقائق قطعی ہیں اور کوئی ایک انسان بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔

یہ اللہ ہی ہے کہ جس نے انسان میں جنسی جبلت رکھی ہے اور اس کے پورا کرنے کے اسباب بھی پیدا کیے ہیں۔ ایسا نہیں کہ اللہ نے یہ جبلت تو پیدا کی ہے مگر اسے پورا کرنے کے لوازمات نہیں رکھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اِس امر کے متعلق

بھی رہنمائی فرمادی ہے کہ انسانی جبلتوں کو پورا کرنے کا درست طریقہ کیا ہے، خواہ وہ جبلتِ بقا ہو یا جنسی جبلت یا پھر جبلتِ تدیُّن۔ کسی بھی جبلت کی تسکین کا کوئی بھی طریقہ بذاتِ خود یہ طے نہیں کرتا کہ وہ طریقہ کار لازماً درست ہے۔ مثال کے طور پر ہر انسان میں بقا کی جبلت موجود ہے۔ اور یہ انسان کو ابھارتی ہے کہ وہ اپنے لیے آرام اور آسائشیں حاصل کرے، جس کے حصول کے لیے ایک شخص دولت کماتا ہے اور پھر اس دولت سے آسائشیں خریدتا ہے۔ مگر کیا دولت کو کسی بھی طریقے سے حاصل کرنے مثلاً چوری، ذخیرہ اندازی، منشیات فروشی کو محض اس وجہ سے درست قرار دیا جاسکتا ہے کہ ایسا اس شخص نے اپنی جبلت کی تسکین کے لیے ہی کیا ہے۔ تو پھر جنسی جبلت کے معاملے میں کیوں یہ طرزِ عمل اختیار کیا جائے کہ ایک انسان جیسے چاہے اسے پورا کرلے، خواہ وہ اس کا خونی رشتہ ہو یا کوئی جانور ہو یا کسی پر جنسی حملہ ہو۔

پس وہ کیا معیار یا پیمانہ ہوگا جو یہ طے کرے گا کہ کسی جبلت کو فلاں طریقے سے پورا کرنا درست ہے۔ کیا وہ پیمانہ یہ ہے کہ اگر دو انسان باہمی رضامندی سے اپنی جبلت کو پورا کرنے کے لیے تیار ہیں تو انہیں اس کی اجازت ہونی چاہئے، مثال کے طور پر اگر دو مرد ہم جنس پرستی کے ذریعے یا ایک مرد اور ایک عورت نکاح کے بغیر ایک اجرت طے کرکے یا بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ کے طور پر اپنی جنسی جبلت کو پورا کرنا چاہیں تو کیا انہیں اس کی اجازت ہونی چاہئے؟ لبرل ازم کا تصور یہ کہتا ہے کہ اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہونی چاہئے۔ تاہم اگر یہ مفروضہ درست تسلیم کرلیا جائے تو کیا اسی بنا پر ایک شخص کو دوسرے انسان کو بھاری قیمت کے بدلے غلام بنانے کی اجازت دی جاسکتی ہے، جبکہ غلام اپنے فروخت کی یہ قیمت اپنی اولاد کے حوالے کرنا چاہتا ہو تاکہ وہ بہتر معیارِ زندگی گزار سکیں؟ یا پھر دو مختلف ممالک کے افراد اپنی مرضی و رضامندی سے ملکی رازوں کا ایک دوسرے سے تبادلہ کرنا چاہتے ہوں تو کیا اس کی آزادی ہوسکتی ہے؟

اگر معاشرے کے لیے کچھ معیار اور پیمانے ہی اس بات کو طے کریں گے کہ انسان کا درست اور غلط طرزِ عمل کیا ہے تو پھر یہاں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان پیمانوں اور معیارات کو کیسے اور کون طے کرے گا؟ اور اگر اس کائنات کا کوئی خالق ہے تو کیا اس کا بھی ان معیارات اور پیمانوں کو طے کرنے میں کوئی عمل دخل حاصل ہے یا نہیں؟!!

جبلتوں اور انسانی حاجات کا بغور جائزہ لینے سے ہمیں انسانی فطرت کے متعلق یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ عضویاتی حاجات جیسا کہ بھوک پیاس وغیرہ کی صفت یہ ہے کہ یہ کسی بیرونی محرک کی محتاج نہیں ہوتیں۔ پس ایک شخص کو لازماً بھوک لگتی ہے خواہ اس کے سامنے اچھا کھانا موجود ہو یا نہ ہو جبکہ انسانی جبلتوں کی نوعیت یہ ہے کہ یہ اس وقت بھڑکتی ہیں اور اپنی تسکین چاہتی ہیں جب کوئی بیرونی محرک انہیں ابھارتا ہے اور اس وقت سرد پڑ جاتی ہیں جب یہ بیرونی محرک موجود نہیں ہوتا، تاہم جب تک ان جبلتوں کو پورا نہ کیا جائے تو انسان بے چین اور غیر مطمئن رہتا ہے۔ چنانچہ جب ایک بے اولاد شخص کسی ماں کو اپنے بچے سے پیار کرتا دیکھتا ہے تو اس کے اندر جذبات اُبھرتے ہیں مگر جب یہ منظر سامنے نہ ہو تو ان جذبات کی شدت کم ہو جاتی ہے، لیکن ایک بے اولاد شخص مستقل طور پر غیر مطمئن رہتا ہے اور اپنے زندگی میں ایک کمی محسوس کرتا رہتا ہے۔ جنسی جبلت سے اٹھنے والے جنسی جذبات کی بھی یہی حقیقت ہے کہ یہ اس وقت بھڑک اٹھتے ہیں جب ایک شخص کو جنسی محرک کا سامنا ہوتا ہے خواہ یہ محرک ایک جنسی تخیل ہی کیوں نہ ہو۔

انسانی فطرت کی دوسری اہم حقیقت یہ ہے انسان کے تصورات اس کے میلانات و رجحانات پر لازماً اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کی جبلتوں کو متاثر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان اپنی بہن یا والدہ کے متعلق کسی قسم کا کوئی جنسی میلان نہیں رکھتا کیونکہ والدہ اور بہن کے متعلق دین اور معاشرہ اسے خاص تصورات سے روشناس کراتا ہے، جو ان خونی رشتوں کی حرمت سے متعلق اسلام نے دیے ہیں۔ گویا معاشرے کے اندر مرد و عورت کے تعلق کے متعلق درست تصورات کو پروان چڑھانا اور انہیں پختہ کرنا درست جنسی رویوں کو تشکیل دیتا ہے جبکہ معاشرے میں اس سوچ کو ترویج دینا کہ ہر انسان آزاد ہے اور اس کی زندگی کا ہدف اپنی خواہشوں کو زیادہ سے زیادہ پورا کرنا ہونا چاہیئے، ایک شخص کو اس چیز پر مائل کرتا ہے کہ وہ جس طرح چاہے بَن پڑے جنسی تسکین حاصل کرے۔

اس تمام افکار کو سمجھنے کرنے کے بعد اب ہم زنا بالجبر کے مسئلے کا جائزہ لیتے ہیں۔ جہاں تک زنا بالجبر کا تعلق ہے تو زنا بالجبر تین عوامل کا نتیجہ ہے۔

1) جنسی جبلت کو پورا کرنے کی بھڑکی ہوئی خواہش۔

2)اس جبلت کو پورا کرنے اور مرد و عورت کے تعلقات کے متعلق درست تصورات کا فقدان یا ایک انسان کا ان تصورات کو پسِ پشت ڈال کر اپنی خواہش کو مقدم رکھنا۔

3)طاقت کے لحاظ سے اس شخص کا اس قابل ہونا کہ وہ اس مرد یا عورت پر قابو حاصل کر سکے جس کے ذریعے وہ اپنی جنسی تسکین حاصل کر سکے، اس امر کے بعد کہ victim اس کی دسترس میں ہو۔

ان تینوں عوامل کے اکٹھے ہونے سے ایک شخص زنا بالجبر کا قبیح فعل سرانجام دیتا ہے۔ لبرل ازم کی سوچ ان تمام عوامل کو فروغ دیتی ہے جبکہ معاشرتی زندگی کے متعلق اسلام کے تصورات اور احکامات زنا بالجبر کے عوامل کی مؤثر روک تھام کرتے ہیں، پس ایک ایسا معاشرہ جہاں اسلام کے احکامات جامع اور ہمہ گیر انداز میں نافذ ہوں، وہاں یہ واقعات اجنبی اور غیر معمولی ہوتے ہیں۔

جہاں تک پہلے عامل factor کا تعلق ہے، تو اسلام کے احکامات جنسی جبلت کے بھڑکنے کے محرکات کو کم سے کم کرتے ہیں۔ پس ایک اسلامی معاشرے میں نہ تو فحش لٹریچر کا فروغ ہوتا ہے، نہ ہی نسوانیت کو کاروباری شے کے طور پر استعمال کرنے والے بِل بورڈز ہوتے ہیں، نہ پورنو گرافک مواد تک آسان رسائی ہوتی ہے اور نہ ہی ہم سٹائل ایوارڈ جیسی تقریبوں میں نیم برہنہ عورتوں کی پریڈ۔ مرد و عورت پبلک مقامات، جیسا کہ آفس اور کام کی جگہوں پر شرعی لباس کی پاسداری کرتے ہیں اور شرعی احکامات اور حدود و قیود میں رہتے ہوئے ایک دوسرے سے میل جول کرتے ہیں۔ یہ سب معاشرے کو اس جنسی ہیجان سے محفوظ رکھتا ہے کہ جو ہمیں آج مشرقی و مغربی معاشروں میں دِکھنے میں آتا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام جنسی جبلت کو دباتا ہے اور اسے پورا کرنے کا اہتمام نہیں کرتا۔ بلکہ اسلام تو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ جونہی مرد و عورت بلوغت کی عمر کو پہنچیں، نکاح کے ذریعے ان کی جنسی جبلت کی تسکین کا جلد از جلد بندوبست کیا جائے۔ تاکہ وہ زنا یا ہم جنس پرستی کے ذریعے اپنی جبلت کو پورا کرنے کا رُخ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ **"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے پیدا کیں تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں تاکہ تم سکون حاصل کرو اُن کے پاس۔ اور اس نے پیدا کر دی تمہارے درمیان محبت اور رحمت"۔(**

سورۃالروم: 21)۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **( يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء)** **"اے جوانو! تم میں سے جو عورت کے حقوق ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اسے ضرور نکاح کرنا چاہئے کیونکہ یہ نگاہ کو جھکاتا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے،اور جو کوئی عورت کے حقوق ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے، یہ اُس کیلئے حفاظت ہے"۔**

جہاں تک دوسرے عامل کا تعلق ہے، تو ایک اسلامی معاشرے میں نظامِ تعلیم، میڈیا اور معاشرے کا عرفِ عام جبلتوں اور عضویاتی حاجات کو پورا کرنے کے متعلق درست تصورات کو مرد و عورت کے اذہان میں مضبوطی سے پیوست کرتے ہیں۔ پس اسلامی معاشرے میں عورت ایک عزت و احترام کی ہستی ہے، اور ایک آبرو ہے جس کی حفاظت کے لیے جان کو قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ عورت ایک ماں، بیوی، بیٹی اور بہن کی حیثیت سے تکریم کے لائق ہے نہ کہ ایک کاروبار کی چیز کہ جس کی جنسیت کو کاروبار کو دلکش بنانے کے لیے استعمال کیا جائے یا بذاتِ خود جنسیت کو ہی کاروبار بنا دیا جائے۔اسی طرح اسلام میں ہم جنس پرستی انتہائی سنگین اور قبیح فعل ہے جس کی سزا موت ہے اور یہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے والا عمل ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پوری بستی پر اپنا عذاب نازل کر کے اسے فنا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ** **"اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے کے سامنے اپنے مطالبات رکھتے ہو"** (سورۃ النساء آیت: 1)۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(خيركم خيركم لأهله، وأنا خيركم لأهلي)** **"تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کیلئے بہتر ہو اور میں تم سب سے زیادہ اپنی بیویوں کیلئے بہتر ہوں"۔**

جہاں تک تیسرے نکتے کا تعلق ہے کہ طاقت کے زور پر victim کو قابو کر لینا اور اس تک دسترس حاصل ہونا، تو اسلام ایسے مواقعوں کو کم سے کم کر دیتا ہے جہاں ایک ایسا شخص جس میں کرپٹ سوچ پل رہی ہو

اسے Victim تک دسترس حاصل ہو۔ اسلام غیر محرم مرد و عورت کے ایسی جگہ پر موجود ہونے سے منع کرتا ہے جہاں کسی اور کی رسائی نہ ہو سکتی ہو، خواہ یہ بیابان علاقے میں سفر کے دوران ہو یا ایک گھر میں محرم رشتوں کی غیر موجودگی کی وجہ سے ہو، تعلیم و تعلم کے دوران ہو یا کسی دفتر میں کاروباری سرگرمی کے دوران ہو۔ مسلم میں عبداللہ بن عباسؓ سے نقل ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے سنا: **(لا يخلون رجل بامرأة إلا ومعها محرم) کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ رہے سوائے اس کے کہ عورت کا محرم ساتھ ہو..."**۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر مسيرة يوم وليلة إلا ومعها ذو محرم لها) "وہ عورت جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اُس کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایک دن اور ایک رات کا سفر کسی محرم کے بغیر کرے"** (مسلم)۔ اسی طرح اسلام کسی شرعی سبب کے بغیر مرد و عورت کی مخلوط محفلوں کو بھی منع کرتا ہے۔ پس تعلیم اور لین دین کے لیے تو ایک عورت اور مرد ایک دوسرے سے (خلوت کے بغیر) بات چیت اور معاملہ کر سکتے ہیں مگر غیر محرم مرد و عورت کا مزہ و تفریح اور ایک دوسرے کی صحبت سے لطف اٹھانے کے لیے اکٹھا ہونا جائز نہیں۔

مغرب کے لبرل تصورات سے متاثر گروہ مذکورہ بالا پہلے دونوں انتہائی اہم عوامل کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے تیسرے عامل کو اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ گویا یہی زنا بالجبر کی بنیادی وجہ ہے اور اس کا ایک ایسا حل تجویز کرتا ہے جو اسلام کے خاندان کے تصور پر کاری ضرب لگاتا ہے۔ اس ٹولے کے بقول مسئلے کا حل یہ ہے کہ عورت کو خود مختار بنایا جائے اور اس خود مختاری کو قانونی تحفظ فراہم کیا جائے۔ یہ گروہ عورتوں کی بحیثیت عورت تنظیم سازی کا علمبردار ہے، ایسی تنظیمیں جو عورتوں کی لبرل آزادیوں کی آواز کو مضبوط بنائیں اور اسلام کے طے کردہ حقوق و فرائض پر مبنی معاشرتی نظام سے بغاوت کریں۔ یوں یہ ٹولہ معاشرے کی آدھی آبادی کو دوسری آدھی آبادی کے سامنے کھڑا کر کے معاشرے کے بنیادی ڈھانچے کو اسی تباہی سے دوچار کرنا چاہتا ہے کہ جس سے مغرب کا معاشرہ دوچار ہو چکا ہے اور معاشرتی مسائل کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ اور ان تمام ترفیمنسٹ تحریکوں کے باوجود مغربی معاشرے زنا بالجبر کے

واقعات کی آماجگاہ ہیں۔ اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ گذشتہ چند دہائیوں میں پاکستان میں نام نہاد مردانہ بالادستی میں کمی واقع ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود زنا بالجبر کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں۔

زنا بالجبر کوئی ذہنی بیماری نہیں ہے کہ جس کے لیے ادویات کے ذریعے علاج کی ضرورت ہو اور نہ ہی یہ بنیادی طور پر تشدد کی قسم ہے، بلکہ یہ اس بیمار ذہنیت کا نتیجہ ہے جو کرپٹ تصورات، کرپٹ معاشرتی ماحول، نظام کی طرف سے اسلامی شخصیت سازی سے غفلت برتنے اور ایک شخص میں تقویٰ کے فقدان سے جنم لیتی ہے۔ اور جب ایک ایسا شخص اپنی جنسی جبلت کو غلط طور پر سیراب کرتا ہے تو پھر اس کا میلان اسی غلط طریقے سے منسلک و مربوط ہو جاتا ہے، اور وہ ایسے عمل میں ہی لذت و آسودگی محسوس کرنے لگتا ہے۔

اسی طرح یہ کہنا بھی درست نہیں کہ چونکہ زنا بالجبر کا شکار باپردہ خواتین بھی ہوئی ہیں لہٰذا بے پردگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ عورتوں کو شرعی لباس کا پابند نہ کرنا اُن اَن گنت محرکات میں سے ایک ہے جو پاکستان کے لبرل سرمایہ دارانہ نظام نے جابجا مہیا کر رکھے ہیں۔ مگر وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے ستر و حجاب کے متعلق اسلام کے واضح احکامات کو نشانہ بنانے کے لیے زنا بالجبر کے کچھ ایسے واقعات کو پیش کرتے ہیں کہ جس میں نشانہ باپردہ خواتین تھیں۔ درحقیقت اسلام کے احکامات باہم مربوط ہیں اور ان کا جامع اور ہمہ گیر نفاذ ہی مطلوبہ نتائج پیدا کرتا ہے۔ پس اسلام کے باقی تمام احکامات کو نظر انداز کرتے ہوئے محض عورتوں کو شرعی لباس کا پابند بنا دینا زنا بالجبر کے مسئلے کو حل نہیں کرے گا۔ اسی طرح محض شرعی سزاؤں کا نفاذ اور ایسے مجرموں کو سرعام سخت سزائیں دینا بھی مکمل حل نہیں ہے۔ بلکہ موجودہ نظام کے اندر ہی کچھ شرعی سزاؤں کا نفاذ یہ تاثر پیدا کر سکتا ہے کہ شرعی سزائیں بے نتیجہ اور بے فائدہ ہیں، کیونکہ شرعی سزائیں ان تمام تر عوامل کو ختم نہیں کرتیں جو زنا بالجبر کے پسِ پردہ کارفرما ہیں اور جن کے لیے اسلام نے الگ سے احکامات دیے ہیں۔ چنانچہ شرعی سزاؤں کے نفاذ کا مطالبہ ادھورا مطالبہ ہے۔ یہ مسئلہ اسی وقت حل ہو گا جب پاکستان میں رائج مغربی سرمایہ دارانہ نظام کو اکھاڑ کر اس کی جگہ "اسلام کا نظامِ خلافت" قائم کیا جائے گا، جو ستر و حجاب سمیت اسلام کے تمام تر معاشرتی قوانین اور اسلامی حدود کو یکبارگی نافذ کرے گا۔ یوں ایسے پاکیزہ معاشرے کی تشکیل ممکن ہو گی جو پوری دنیا میں اپنی مثال آپ ہو گا۔

فہرست

# پاکستان، افغانستان اور وسطی ایشیاء کو ایک ریاستِ خلافت کی شکل میں یکجا کر کے، امریکی راج کی گرتی ہوئی دیوار کو آخری دھکا دے کر زمین بوس کر دو

**حزب التحریر، ولایہ پاکستان**

آج، 7 محرم 1443 ہجری، بمطابق 15 اگست 2021، مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی جب افغان مجاہدین کابل میں داخل ہوئے جبکہ امریکا جلدی میں اپنے سفارتی عملے کو کابل سے نکال کر اپنا سفارت خانہ خالی کر رہا تھا اور افغانستان کا کٹھ پتلی حکمران اشرف غنی ملک سے فرار ہو چکا تھا۔ چند ہزار ہلکے ہتھیاروں سے مسلح مجاہدین نے تیسری استعماری طاقت، امریکا، کے غرور کو اپنے قدموں تلے روند ڈالا، بالکل ویسے ہی جیسے ان مجاہدین کے آباؤاجداد نے برطانوی سلطنت اور پھر سوویت روس کے غرور کو خاک میں ملایا تھا۔ اب امریکہ کے علاقائی ڈھانچے اور خطے میں اس کی موجودگی کو مکمل طور پر اُکھاڑ پھینکنے کا وقت آچکا ہے، اور اگر یہ کام سرانجام دے دیا گیا تو امریکا دوبارہ اس خطے کا رُخ کبھی نہیں کرے گا، بالکل ویسے ہی جیسا کہ برطانوی راج اور سوویت روس نے افغانستان سے اپنے فوجی انخلاء کے بعد کبھی دوبارہ اس خطے میں واپس آکر قدم جمانے کی ہمت نہیں کی۔

**اے پاکستان کے مسلمانو!**

**یہی وقت ہے کہ امریکی راج کی گرتی ہوئی دیوار کو آخری دھکا دیا جائے۔۔**

یہی وقت ہے کہ امریکہ کے لیے پاکستان سے گزرنے والی سپلائی لائن ((ALOC, GLOC کے خاتمے کا مطالبہ کیا جائے کیونکہ یہ خطے میں امریکا کے علاقائی ڈھانچے کو برقرار رکھنے کے لیے شہ رگ کا کام کرتی ہے۔ جب تک پاکستان کے حکمرانوں کی طرف سے امریکا کو زمینی و فضائی گزرگاہیں میسر رہیں گی، خطے میں امریکا کی تباہ کن موجودگی برقرار رہے گی اور اس کے دوبارہ پھلنے پھولنے کی صلاحیت برقرار رہے گی۔

یہی وقت ہے کہ اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے اور کراچی میں اس کے قونصل خانے میں موجود جاسوسی کے اڈوں کے خاتمے کا مطالبہ کیا جائے۔ یہ امریکہ کی وہ شر انگیز آنکھیں ہیں جو دن رات چوبیس گھنٹے پوری طرح کھلی رہتی ہیں، جن کے بغیر پورا امریکی انفراسٹرکچر اندھا ہو جائے گا۔ جب تک پاکستان کے حکمران امریکہ کے جاسوسی کے اِن اڈوں کو باقی رہنے کی اجازت دیں گے، ہماری حساس فوجی اور انٹیلی جنس مواصلات کبھی بھی محفوظ نہیں ہو سکتیں، اور یہ اڈے امریکا کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ خطے میں اپنی زہریلی جڑیں برقرار رکھے۔

یہی وقت ہے کہ امریکا اور اس کی کٹھ پتلیوں اور افغان مجاہدین کے درمیان مذاکرات کے لیے پاکستان کے سہولت کاری کے کردار کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا جائے۔ مذاکرات کفار کا ایک پُر فریب طریقہ کار ہیں جسے وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور اُن سے اپنے لیے مراعات لینے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ طریقہ وہ اُس وقت استعمال کرتے ہیں جب انہیں اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اسلامی امت اس پوزیشن میں ہے کہ وہ بغیر کوئی مراعات دیے اور بغیر کوئی نقصان اٹھائے، اُن سے اپنا حق چھین سکتی ہے۔ جب تک پاکستان کے حکمران مذاکرات میں امریکہ کی خاطر سہولت کار کا کردار ادا کرتے رہیں گے، تو دشمن کو یہ موقع ملتا رہے گا کہ وہ قلعے کے سامنے کے دروازے سے نکل کر پچھلے دروازے سے دوبارہ داخل ہو جائے۔

یہی وقت ہے کہ امریکی راج کی گرتی دیوار کو فیصلہ کن دھکا دیا جائے۔ پس یہ مطالبہ کیا جائے کہ امریکا سے ہر طرح کا فوجی و معاشی اتحاد ختم کیا جائے کیونکہ وہ مسلمانوں اور اسلام کا کھلا دشمن ہے اور ہمارے دیگر دشمنوں کو ہمارے خلاف مدد و حمایت فراہم کرتا ہے۔ ہمیں حکمرانوں کے امریکہ سے اتحاد کے سنگین گناہ سے خود کو الگ کرنا ہو گا تاکہ ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے غضب اور سزا سے بچ سکیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ﴿**إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ**﴾ **"اللہ اُنہی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنھوں نے دین کے بارے میں تم سے لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی۔ تو جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں"** (الممتحنہ، 60:9)۔

## اے افواجِ پاکستان کے مسلمانو اور اے مجاہدین!

## پاکستان، افغانستان اور وسطی ایشیاء کو ایک ریاستِ خلافت کی شکل میں یکجا کر دو

یہ جان لیں کہ مسلم علاقوں کے درمیان موجود سرحدیں استعمار کی کھینچی ہوئی ہیں کہ جن کے ذریعے وہ ہمیں تقسیم اور کمزور کرتا ہے اور ہم پر حکمرانی کرتا ہے۔ جبکہ ہماری طاقت صرف اور صرف اسلام کے جھنڈے تلے ایک ریاست کی شکل میں یکجا ہونے میں ہے۔ ہمارے خطے میں اِس ڈیورنڈ لائن کی سرحد نے افغانستان کو ایک چھوٹے اور کمزور ملک میں تبدیل کر دیا، جہاں امتِ مسلمہ کے دشمن باآسانی مداخلت کر سکتے ہیں، بار بار حملہ آور ہو سکتے ہیں اور سرایت کر سکتے ہیں، چاہے وہ 1989 سے پہلے روس ہو یا 2001 کے بعد سے امریکا اور بھارت ہوں۔ یہ ڈیورنڈ لائن ہی ہے جس نے افغانستان کے غیور اور باعزت مسلمانوں کو محروم، مظلوم اور پناہ گزین بنا دیا ہے، اور افغانستان کی سرزمین پر بڑی طاقتوں کی آپس کی لڑائیوں، سازشوں اور "ڈبل گیم" کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں مسلمان شہید ہوتے رہے۔ یہ ڈیورنڈ لائن ہی ہے جس نے مسلمانوں کے درمیان شک، ناراضگی اور دشمنی پیدا کی، ان کی صفوں کو تقسیم کیا، تاکہ کفار ان کے درمیان، شمال و جنوب، مشرق اور مغرب، ہر طرف سے داخل ہو سکیں۔

دشمنوں کو ہمارے اس خطے کے دروازوں سے داخل ہونے سے روکنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پاکستان، افغانستان اور وسطی ایشیاء کو ایک ریاستِ خلافت تلے یکجا کر کے مسلم علاقوں میں کفار کے داخلے کے دروازوں کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا جائے۔ بے شک، ہماری طاقت کا انحصار مسلمانوں کے دشمنوں سے اتحاد کرنے اور اُن پر انحصار کرنے میں نہیں ہے، چاہے وہ دشمن مشرق میں چین ہو یا مغرب میں امریکہ ہو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہماری طاقت کا انحصار صرف اللہ کی خاطر آپسی بھائی چارے اور ایک ریاست کی شکل میں امتِ مسلمہ کی وحدت پر ہے، جہاں مسلم علاقوں کی تمام افواج اور ان کے مادی و معاشی وسائل ایک خلیفہ کے ہاتھ میں ہوں گے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر حکمرانی کرے گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ﴿الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ

مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ "وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیاان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں، عزت تو ساری اللہ کے لیے ہی ہے" (النساء، 4:139)۔ اب یہ آپ پر ہے کہ اِس ڈیورنڈ لائن کو مٹا کر اپنی قوت کو یکجا کریں، جو آپ کو آپ کے دشمنوں کے سامنے تقسیم اور کمزور کرتی ہے، اور امریکیوں اور بھارتیوں کے خلاف بھائی بن کر ایک ہی صف میں کھڑے ہو جائیں، جیسا کہ آپ پہلے سوویت روس کے خلاف ایک جسم بن کر کھڑے ہوئے تھے۔

بین الاقوامی نظام (ورلڈ آرڈر) یا اُس کو چلانے والی استعماری ریاستوں کی منظوری کی پرواہ نہ کریں۔ مذاکرات کی طرح، یہ بھی امتِ اسلامیہ کو اُس حق سے محروم کرنے کے لیے ایک جال ہے جس حق کو آپ اللہ کے راستے میں جہاد اور اپنے پسینے، خون، اسلحے اور بارود سے حاصل کر سکتے ہیں۔ بین الاقوامی نظام اِس دور کی مجرمانہ ریاستوں کا نظام ہے جنہوں نے لاطینی امریکہ سے لے کر جنوب مشرقی ایشیا تک، دنیا کے بیشتر حصے کا انتہائی بے رحمی سے استحصال کیا ہے۔ یہ نظام موجودہ مغربی حکمرانوں کے شیطانی آباؤاجداد کا بنایا ہوا ہے، جس کا مقصد ریاستِ خلافت کی مسلسل پیش قدمی کا سدِ باب کرنا تھا جس کی فوجیں مغربی دارالحکومتوں کے دروازوں تک پہنچ گئی تھیں۔ یہی وہ جابرانہ صلیبی نظام ہے جس نے فلسطین، مقبوضہ کشمیر اور دیگر مقبوضہ اسلامی سرزمینوں کو کئی دہائیوں سے آزادی سے محروم کر رکھا ہے، اگرچہ مسلمانوں کے پاس لاکھوں کی تعداد میں قابل مسلم افواج موجود ہیں۔ آج دینِ حق کی حامل اِس امت کے پاس اس کرپٹ عالمی نظام کو ختم کرنے کے لیے وسائل اور افرادی قوت موجود ہے، جس کا خاتمہ انسانیت کو سکھ کا سانس بخشے گا، اور اس کی جگہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات پر مبنی ایک خالص الٰہامی نظام نافذ ہوگا، جیسا کہ اس سے قبل دورِ خلافت میں صدیوں تک یہ نافذ ہوتا رہا۔

مسلمانوں کے موجودہ حکمرانوں کا دھوکہ، جھوٹ اور مکروفریب اب اپنی انتہاء کو پہنچ چکا ہے۔ یہ حکمران وہ بوجھ ہیں جنہیں اب آپ نے ہی امت کے کندھوں سے لازمی اتارنا ہے۔ پس آپ نبوت کے نقشِ قدم پر دوبارہ خلافت کے قیام کے لیے حزب التحریر کو نُصرۃ فراہم کریں، جو امت کی فوجی طاقت اور معاشی وسائل کو جمع کر کے امریکی راج کو زمیں بوس کرے گی اور خطے میں اسلام کی بالادستی قائم کرے گی اور دنیا کی رہنما ریاست بن کر ابھرے

گی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ﴿إِن يَنصُرۡكُمُ ٱللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمۡۖ وَإِن يَخۡذُلۡكُمۡ فَمَن ذَا ٱلَّذِي يَنصُرُكُم مِّنۢ بَعۡدِهِۦۗ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ﴾ "اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور اگر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا اور مومنوں پر لازم ہے کہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں" (آل عمران، 3:160)۔

7 محرم الحرام 1443 ہجری

15 اگست 2021ء

**حزب التحرير**

ولایہ پاکستان

فہرست

# پاکستان اور جغرافیائی اقتصادیات کا دھوکہ

## وسطی ایشیا کے حصول کی دوڑ

شاہ رخ ہمدانی- پاکستان

اپنے قیام سے ہی پاکستان مسلسل خطرات کی زد میں رہا ہے۔ مسخ شدہ پاکستان کا مشرقی حصہ، جس پر 1947 میں سمجھوتہ کیا گیا تھا، اس کی سرحدیں مشرق میں بلا رکاوٹ ایک دشمن پڑوسی یعنی بھارت کے ساتھ ملتی تھیں تو دوسری طرف اس کے قیام نے جنوبی ایشیاء میں نسلی تعصبات کے خطرات سے متعلق پرانے سوالات کو بھی دوبارہ اٹھا دیا۔ مغربی سرحد کے پار، افغانستان میں، اسے پشتون قوم پرست حکومت کا سامنا کرنا پڑا جو برطانوی دَور کی ڈیورنڈ لائن کے اِس پار علاقوں پر دعویٰ کرنے اور پاکستان میں شامل ان تمام علاقوں کو ضم کرنے کے درپے تھی، جہاں اس کے نسلی رشتہ دار بستے تھے۔

ریاستِ پاکستان اس وعدے پر قائم کی گئی تھی کہ اسلام اس کی امتیازی خصوصیت ہو گا۔ تاہم، اس کے قیام کے بعد، اس کے حکمرانوں نے جلد ہی اپنا راستہ تبدیل کر دیا اور سیکولر گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 کو نافذ کرنا جاری رکھا، جس میں قراردادِ مقاصد کو، آئین و حکمرانی کو ایک سطحی اسلامی رنگ دینے کے لیے منظور کر لیا گیا۔ یہ واضح سیکولر فریم ورک اسلام پسند عوام کو نہ بھایا اور بالآخر معاشرے کو ہم آہنگ کرنے میں ناکام رہا۔ اس نے ریاست کو اندرونی اور بیرونی طور پر کمزور کر دیا۔ یہ افسوسناک ہے، کیونکہ اسلامی نظریات، جو کہ برصغیر پاک و ہند کے اسلام پسند مسلم عوام کے متحد ہو جانے کی وجہ تھے، وہ ایک وطن حاصل کرنے میں تو کامیاب رہے، تاہم جب ریاستی ڈھانچے کی تشکیل میں انہی نظریات کو ضائع کر دیا گیا تو ریاست نے فوری طور پر اپنی ہم آہنگی کھونا شروع کر دی۔ اسلام کو ایک علامتی ریاستی مذہب تک محدود کر دیا گیا، جس طرح عیسائیت کو مغربی سیکولر ریاستوں میں دیکھا جا سکتا ہے، حالانکہ اسلام خلافت کے طور پر ایک مکمل ریاستی نظام کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلام کے نظریات سے علیحدگی کے بعد، اس خود ساختہ کمزوری پر قابو پانے کے لیے پاکستان کے حکمرانوں نے ریاست کو عسکری اور معاشی طور پر برقرار رکھنے کے لیے غیر ملکی طاقتوں سے مدد مانگی۔ یہ ایک وجہ تھی کہ پاکستان نے جنرل ایوب کے دَور سے امریکہ کے رضامند اور کار آمد ایجنٹ کے طور پر کام کیا۔ اس کے نتیجے میں امریکہ نے پاکستانی حکمران اشرافیہ کو، بالخصوص فوج کو، فوجی اور معاشی انعامات سے نوازا تاکہ وہ اپنی نئی جیتی ہوئی غلام ریاست پر اپنا کنٹرول مضبوط کر سکے۔ اس سے قبل پچاس کی دہائی میں، پاکستان کو CENTO کی رکنیت کی پیشکش کی گئی تھی، جو پہلے سے موجود SEATO پر مشتمل ایک فوجی اتحاد تھا، تاکہ پاکستان کو، جو کہ SETO کا سب سے مغربی رکن تھا، NATO کے سب سے مشرقی رکن یعنی ترکی سے جوڑا جا سکے۔ تقریبا ایک دہائی کے بعد، 1964 میں، امریکہ کی ہدایت پر، CENTO کے علاقائی ممبران، پاکستان، ترکی اور ایران نے ایک الگ علاقائی اقتصادی تنظیم، علاقائی تعاون برائے ترقی (RCD) تشکیل دی۔ آر سی ڈی کے تحت، جیسا کہ یہ جانا جاتا تھا، تین ممالک پر محیط ایک شاہراہ تیار کی گئی۔ وفات پا چکی اور اس وقت کی زندہ سیاسی شخصیات کی تصاویر پر مشتمل کچھ ڈاک ٹکٹ جاری کیے گئے، نیز تاریخی ورثہ کے مقامات بھی بنائے گئے۔

مغربی استعمار کی اطاعت کے سوا کسی بھی طرح کی مشترکہ سوچ کے فقدان کی وجہ سے یہ تینوں ریاستیں کچھ خاطر خواہ نتائج حاصل نہ کر سکیں۔ 12 غیر اطمینان بخش سالوں کے بعد، تینوں علاقائی سربراہان نے اپریل 1976 میں ترکی کے شہر، ازمیر میں ایک سربراہی اجلاس منعقد کیا، جس میں 1964 کے اعلامیے میں ترامیم کی گئیں۔ ازمیر کا معاہدہ 1977 میں آر سی ڈی کے قانونی فریم ورک کے طور پر دستخط کیا گیا تھا، پھر بھی آر سی ڈی اپنی منزل کی جانب روانہ نہ ہو سکی۔ 1979 میں، آر سی ڈی کو بالآخر ختم کر دیا گیا۔ جسے پہلے گیم چینجر اور علاقائی ترقی کیلئے ایک ناگزیر کے طور پر دکھایا گیا تھا، اور جسے لوگوں کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا، اسے اب پاکستان اور ایران کی سیاسی اور عسکری اشرافیہ کی یورپ میں چھٹیوں کے لیے، اور ترکی کے راستے ایک شاہراہ کے ذریعے یورپ فرار کا راستہ بنا دیا گیا۔ حال ہی میں آر سی ڈی کے حوالے سے روزنامہ 'دی نیوز' میں ایک خط میں اس کی نشاندہی کی گئی تھی، "نصف

صدی بعد آج، (آر سی ڈی) شاہراہ سرکاری محفوظ شدہ دستاویزات میں دفن ہے اور آر سی ڈی (خود) ایک پرانے دور کی یاد بن چکی ہے"۔

1979تک ، آر سی ڈی 1979 کے ایرانی انقلاب کے بعد بالکل ناکارہ ہوچکی تھی۔ تاہم چھ سال بعد، 1985 میں ، امریکہ نے ECO یعنی اقتصادی تعاون کی تنظیم کی آڑ میں اپنے علاقائی ایجنٹوں کے ذریعے اس منصوبے کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی، جس میں وہی تین ممالک شامل تھے۔ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ پچھلے اتحاد کی ناکامی کے بعد بھی امریکہ اپنے علاقائی ایجنٹوں کو بار بار اس علاقائی اقتصادی اتحاد بنانے پر کیوں زور دے رہا تھا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ آر سی ڈی اور اس کے بعد ای سی او امریکہ کی نظر میں اہم معاشی اقدامات تھے، تاکہ روس کی جنوب کی جانب مشرق وسطیٰ اور بحر ہند کے گرم پانیوں تک رسائی میں رکاوٹ پیدا ہو۔ امریکہ نے اپنے تین علاقائی ایجنٹوں، پاکستان، ایران اور ترکی کو استعمال کرتے ہوئے رکاوٹ ڈالنے والا ایک بلاک بنایا۔ تاہم اس سے پہلے RCD کی طرح ECO بھی مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر سکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایجنٹ ایسی قومی ریاستوں پر حکمرانی کرتے ہیں جو باہمی طور پر جزوی اختلافی مفادات رکھتی ہیں۔ صرف ایک بڑی طاقت کا حکم ایک وسیع علاقائی منصوبے کو کامیاب بنانے اور علاقائی ایجنٹوں کو مضبوطی سے یکجا کرنے کے لیے کافی نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ RCD اور ECO مکمل طور پر ناکام رہے۔

جب سوویت یونین کے خلاف امریکہ کی اقتصادی قوت جوبن پر تھی، امریکہ کی ایک مسابقتی فوجی حکمت عملی زور پکڑ رہی تھی۔ سوویت یونین کے خلاف افغانستان میں امریکہ کی جنگ چھیڑنے کے لیے ، پاکستان کے حکمرانوں نے اسلامی شناخت پر مبنی قومی شناخت کو فروغ دینے میں کافی وقت صَرف کیا۔ جہاں سیکولر نظریات پہلے ناکام ہو چکے تھے ، وہاں اسلام نے ایک متحد کرنے والے عنصر کے طور پر پاکستان کے تجربے میں قابل ذکر کامیابی حاصل کی۔ جیسے پہلے اسلامی نظریات برصغیر پاک و ہند کے مسلم عوام کو اسلام کے نام پر ایک وطن کیلئے متحرک کرنے میں کامیاب ہوئے تھے ، اسی طرح اسلامی جذبات نے 80 کی دہائی میں مسلمانوں کی اگلی نسل کو افغانستان میں سوویت

یونین کو زبردست شکست دینے کے لیے متحرک کر دیا۔ آج تک اس پورے منصوبے کو 'ضیاء کی اسلامائزیشن' سے منسوب کرتے ہوئے لبرل حلقے ماتم کرتے ہیں اور منصوبے پر تنقید کے نام پر اسلام کے خلاف زہر اگلتے ہیں۔

پھر 1992 میں، افغان جنگ کے نتیجے میں، دو اہم واقعات رونما ہوئے۔ اندرونی تقسیم کا شکار ہوتے ہوئے، سوویت یونین بالآخر ٹوٹ گیا اور وسطی ایشیائی ریاستیں، یعنی ازبکستان، تاجکستان، ترکمانستان، کرغیزستان اور قازقستان، کیسپین سمندر کے مشرق میں آزاد ریاستوں کے طور پر ابھریں۔ ایک بار جب سوویت خطے سے نکل گئے، تو اشتراکی اثر و رسوخ کم ہو گیا تھا، اور اس کے ساتھ، اشتراکی نظریے کا غلبہ بھی ختم ہو گیا۔ جلد ہی، طویل عرصے سے اسلام کے ساتھ منسلک محبت دبی ہوئی عوام میں پوری طاقت کے ساتھ دوبارہ نمودار ہوئی۔ درحقیقت سوویت قبضے سے پہلے، یہ تمام ریاستیں بشمول افغانستان، اسلامی دنیا کا ایک لازمی حصہ تھیں۔ انہیں اجتماعی طور پر خراسان کی ولایت کہا جاتا تھا۔ قومی شناخت اور قومی نظریے سے پاک اس خطے میں اسلام نے وسیع خلا کو آسانی سے پُر کیا۔ وسطی ایشیاء کے معاشروں نے اسلام کو ایک نظریے کے طور پر تیزی سے قبول کرنا شروع کر دیا، جس سے ان کے جابر حکمران خوش نہیں تھے، جو خود سوویت دور ہی کے باقیات تھے۔

1990 کی دہائی میں ان سماجی و سیاسی پیش رفتوں کے ساتھ ساتھ، کیسپین سمندر کی تہہ کے ارضیاتی معائنے سے پتہ چلا کہ اس میں ہائیڈروکاربن کے ذخائر موجود ہیں، جو خلیج فارس کے ذخائر کے بعد دوسرے نمبر پر ہیں۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ جن ریاستوں کے پاس یہ وسائل تھے، یعنی ترکمانستان، ازبکستان اور قازقستان، وہ مکمل طور پر خشکی سے گھری ہوئی تھیں۔ ترکی، پاکستان اور ایران کے سابق آر سی ڈی اور موجودہ ای سی او ممبران کو اُن کے استعماری آقاؤں نے، وسطی ایشیاء میں موجود سیاسی عدم یقینی کی اس صورت حال میں، حقیقی طاقت کے خلا کو پُر کرنے کیلئے استعمال کرنے کا کام سونپا، تاکہ وہ توانائی کے وسائل کو ہڑپ سکیں۔ استعمار کے لیے ان ممالک کی افادیت یہ تھی کہ صنعتی دنیا کو ہائیڈروکاربن پہنچانے کے لیے ممکنہ راستے یہی ECO ریاستیں مہیا کرتی تھیں۔

اس کا ادراک کرتے ہوئے، امریکہ نے 1992 میں، سوویت یونین کے خاتمے کے بعد، ای سی او کی توسیع کے لیے حوصلہ افزائی کی تاکہ افغانستان کے ساتھ ساتھ نئی ابھرتی ہوئی وسطی ایشیائی ریاستوں یعنی قازقستان،

کرغیزستان، تاجکستان، ترکمانستان اور ازبکستان کو بھی اس میں شامل کیا جا سکے۔ اس کا مبینہ ہدف خطے میں ایک نئی پائپ لائن اور پورے علاقے میں سامان اور خدمات کے لیے ایک مشترکہ منڈی متعارف کرانا تھا۔ تاہم، دراصل یہ سب وسطی ایشیائی ریاستوں کو اسٹریٹجک مقاصد کے لیے دوبارہ منظم کرنے کے طویل مدتی امریکی ہدف کے تحت تھا۔ لہذا، وسطی ایشیائی ریاستوں کی طرف دوڑ، ای سی او کے تین اصل ارکان کے درمیان کسی حد تک مقابلہ بن گئی۔ اسلام کی وجہ سے، وسطی ایشیا کا مشرق وسطیٰ اور برصغیر پاک وہند کی تاریخ سے گہرا تعلق تھا۔ تاہم، تینوں ریاستوں نے اپنے مختلف حالات کے مطابق مختلف نظریات کو ترجیح دی۔ ترکی نے ترک نظریات برآمد کرکے وسطی ایشیائی روابط کو مضبوط بنانے پر غور کیا، کیونکہ وسطی ایشیا کی بیشتر ریاستیں ترک تھیں، تاہم وسطی ایشیائی مرکز سے اس کا فاصلہ ایک رکاوٹ بن گیا۔ ایران نے وسطی ایشیا کے ساتھ اپنے گہرے تاریخی تعلقات کو فروغ دینے میں دلچسپی لی۔ تاہم، وسطی ایشیائی آبادی کے سنی اسلام کے مقابلے میں ایرانیوں کی شیعہ مسلک سے وابستگی نے اس میں رکاوٹ ڈالی۔ اس سے پاکستان امریکہ کے لیے واحد قابل عمل آپشن کے طور پر بچ گیا، کیونکہ یہ سنی اسلام پر کاربند بھی تھا اور ساتھ ساتھ وسطی ایشیائی ریاستوں کے قریب بھی تھا۔ اس کے علاوہ، افغانستان پر سوویت قبضے کے خاتمے کے بعد، پاکستان کے پاس خطے میں وسیع نیٹ ورک موجود تھا، جو جنگ کے دوران تیار ہوا تھا۔ چنانچہ ترکی اور ایران کے مقابلے میں، پاکستان امریکی عزائم کو پورا کرنے کے لیے موزوں ترین ایجنٹ بن گیا۔

کسی بھی آزاد اسلامی سیاستدان کے لیے وسطی ایشیا میں طاقت کا خلا اور پاکستان کی اسٹریٹجک اہمیت ایک تاریخی موقع کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاہم پاکستانی حکمرانوں کی تنگ نظری کی وجہ سے یہ موقع ضائع ہو گیا۔ خلافت کے قیام کے اعلان اور اس کے نتیجے میں پورے خطے کو اسلام کے جھنڈے تلے یکجا کرکے وسطی ایشیائی ریاستوں کے ساتھ افغانستان کے ضم ہونے سے جو کچھ حاصل کیا جا سکتا تھا، اسے پاکستان کی قیادت نے منافع بخش تجارت کرنے اور کپاس، دواسازی، مواصلات، زراعت، شاہراہوں کے قیام اور وسطی ایشیائی ریاستوں کے ساتھ سیٹلائٹ مواصلات قائم کرنے کے مشترکہ منصوبوں تک محدود کردیا۔ یہ سب واشنگٹن کی رہنمائی میں ہوا۔ تجارت، سائنس، تعلیم اور سیاحت سے شروع ہونے والے ان منصوبوں کے بعد، ترکمان پائپ لائن کا منصوبہ آیا، جسے بعد میں TAPI پائپ لائن کہا

گیا۔اس پائپ لائن کو محفوظ بنانا امریکہ کی 2001 میں افغانستان پر نائن الیون کے حملے کی ایک وجہ تھی۔ ترکمان پائپ لائن کے بعد پشاور سے شروع ہو کر جلال آباد، کابل، مزار شریف سے ہوتا ہوا تاشقند تک ایک تجارتی راستہ کھینچنے کا تصور بھی اسی کے ساتھ ساتھ پیش کیا گیا تھا۔

تاہم، جیسا کہ اس سے پہلے آر سی ڈی میں بھی، ایک یکجہتی وژن کا فقدان تھا، اس مرتبہ بھی وسطی ایشیائی ریاستوں کے ساتھ پاکستان کا سہانا سفر بہت جلد ختم ہو گیا۔ افغان راستے کو محفوظ بنانے کے لیے پاکستان کی طرف سے طالبان کی پشت پناہی سے وسطی ایشیائی ریاستوں نے خطرہ محسوس کیا اور روس کے ساتھ سوویت دور کے سلامتی اور معاشی تعلقات کو بحال کیا۔ یہاں تک کہ پاکستان پر افغانستان میں مجاہدین کی حمایت کرنے کا الزام لگانے کے بعد انہوں نے پاکستان کے ساتھ سیاسی اور معاشی تعلقات کو کم کر دیا۔ پاکستانی، ترک اور ایرانی رہنما ایک بار پھر یہ سمجھنے میں ناکام رہے کہ اقتصادی اتحاد اور رابطے کے منصوبے کبھی بھی پھل نہیں دیں گے، کیونکہ یہ سب استعماری منصوبے ہیں۔ ان کے پاس علاقائی منصوبے میں ایک بڑی استعماری طاقت کی حمایت کرنے کے علاوہ کسی بھی طرح کے مشترکہ وژن کا فقدان تھا۔ معاشی منصوبے ایک مضبوط سٹریٹجی کے تحت ہی کام کرتے ہیں۔ پاکستان کے تمام علاقائی رابطے کے منصوبوں، آر سی ڈی، ای سی او، اور وسطی ایشیا کی طرف توسیع کے موجودہ معاملے میں، اسٹریٹیجک سوچ امریکہ سے آئی تھی۔ تو رہنما کیسے یہ امید لگا سکتے ہیں کہ استعماری علاقائی منصوبے استعماری طاقتوں کو فائدہ پہنچانے کے علاوہ کبھی پاکستان کے لیے بھی مفید ہوں گے؟

ماضی کی ناکامیوں سے عاجز آ کر اس کے بعد پاکستان کو امریکہ نے اجازت دی کہ وہ قدرے نرم پالیسی اپنائے۔ اس نے گوادر اور کراچی کی اپنی گہرے پانی کی بندرگاہوں کو چین کے لیے مثالی جہاز رانی کے مراکز کے طور پر فروخت کیا جو سنکیانگ کو جوڑتی ہیں اور جابر چینی ریاست کو بحیرہ عرب تک رسائی فراہم کرتی ہیں۔ جس طرح TAPI پائپ لائن کو نوے کی دہائی میں وسطی ایشیا کی جانب دوڑ کے لیے تاج میں جڑا ہیرا تصور کیا گیا تھا، اسی طرح چین پاکستان اقتصادی راہداری کا منصوبہ 2015 میں پاکستان کے لیے ایک اور 'گیم چینجر' کے طور پر شروع کیا گیا تھا۔ یہ کھربوں ڈالر کے چینی بیلٹ اینڈ روڈ انیشی ایٹو (BRI) کا مرکزی حصہ تھا۔

62ارب امریکی ڈالراور درجنوں توانائی کے منصوبوں کا وعدہ کرنے کے بعد، سی پیک کو چین کی سب سے بڑی بیرونی سرمایہ کاری کے طور پر سراہا گیا۔ یہ 1970 سے پاکستان میں ہونے والی دیگر تمام غیر ملکی براہِ راست سرمایہ کاری کی طرح تھی، جو سڑکوں، پلوں، پائپ لائنوں اور ریلوے کے نیٹ ورک پر مشتمل ہے، جو چین کے کاشغر سے ہوتے ہوئے پاکستان کے ہر بڑے شہر سے گزرتا ہے اور گوادر اور کراچی کی گہرے پانی کی بندرگاہوں سے منسلک ہوتا ہے، اوراس کی کل لمبائی 2700 کلومیٹر ہے۔ سیاسی نعروں کے ساتھ پاکستان اور چین کو ہر موسم میں برقرار رہنے والے تعلقات کا حوالہ دیتے ہوئے، ان کے "پہاڑوں سے اونچے، سمندر سے گہرے اور شہد سے میٹھے" ہونے کی پزیرائی کی گئی جس سے دونوں ریاستوں نے اپنے اپنے مفادات کو محفوظ بنانے کی کوشش کی۔ چین کے لیے، CPEC بحرہند تک رسائی کا آسان راستہ ہے، جس سے یہ جنوبی چین کے سمندر میں ممکنہ رکاوٹوں سے بچ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ، چین اپنے دور دراز مغربی شہروں، کاشغر اور ارُمچی کو ترقی دینے کی امید کر رہا ہے۔ بی آر آئی کے دیگر منصوبوں کے کسی حد تک برخلاف، سی پیک کو جنوبی اور وسطی ایشیائی خطے میں چینی اثرورسوخ بڑھانے کے ذریعے کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ پاکستان کے لیے اس نے نام نہاد اور غیر درکار غیر ملکی براہ ِ راست سرمایہ کاری فراہم کی۔ گوادر میں، بحیرہ عرب کے دہانے پر، حال ہی میں مکمل ہونے والے خود ستائشی منصوبوں جیسے گوادر اسٹیڈیم کے ساتھ ساتھ ایک نیا ہوائی اڈہ، موٹروے اور ریل پٹری تعمیر کیے جا رہے ہیں۔ گوادر میں قدرتی گہرے سمندر کی بندرگاہ کو نئے مال بردار جہازوں کے لیے دوبارہ تعمیر کیا گیا، جس سے بندرگاہ کی گنجائش دس لاکھ ٹن کی معمولی حد سے بڑھ کر 40 کروڑ ٹن تک پہنچ گئی۔

پاکستان کی قیادت نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ منصوبہ معاشی ترقی کو جنم دے گا۔ منصوبے کے ذریعے ملک کے مغربی علاقوں پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے، قیادت نے دعوی کیا کہ اس سے نظر انداز شدہ اور پسماندہ بلوچستان میں مجموعی طور پر زندگی کے حالات کو بہتر بنانے میں اور بڑھتی بغاوتوں کو قابو کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ نیز، صرف توانائی کے شعبے میں 30 ارب امریکی ڈالر کی سرمایہ کاری کے ذریعے، پاکستان اپنی 7000 میگاواٹ توانائی کی کمی کو دور کرنے اور مجموعی طور پر 3 فیصد اضافی پیداوار حاصل کرنے کی امید کر رہا تھا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ پچھلے

پانچ سالوں سے، CPEC کو پاکستان کی تمام بیماریوں کے علاج کے طور پر پیش کیا جا رہا تھا، جس نے معیشت کو متحرک کرنا تھا، توانائی کے شعبے میں اصلاحات پیدا کرنی تھی اور بیک وقت روزگار بھی پیدا کرنا تھا۔ تاہم تمام سابقہ جیو-علاقائی اقتصادی منصوبوں جیسے، آر سی ڈی، ای سی او کی طرح اب سی پیک نے بھی اپنا اثر کھونا شروع کر دیا ہے، کیونکہ امریکہ نے چین کی طرف اپنی حکمت عملی کو تبدیل کر لیا ہے۔ برطانوی اخبار "دی ڈپلومیٹ" کے مطابق، "اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ حالیہ برسوں میں پاکستان میں CPEC منصوبوں کی رفتار سُست ہو رہی ہے... ترقی میں سست رفتاری کے باعث کئی اطلاعات کے مطابق ملک میں CPEC تقریباً جمود کا شکار ہو چکا ہے"۔ بلومبرگ کی ایک ویڈیو رپورٹ کے مطابق یہ کہا گیا ہے کہ، "چین کا نمایاں ترین بیلٹ اینڈ روڈ منصوبہ کیسے جمود کا شکار ہو گیا"۔ بنیادی وجہ یہ بتائی گئی کہ چینی حکام مبینہ طور پر پاکستان کے بڑھتے ہوئے قرض کو ادا کرنے کی صلاحیت پر تشویش میں ہیں، جبکہ COVID-19 کی عالمی صورتحال کے پیشِ نظر، چین بی آر آئی منصوبے میں اپنی عالمی سرمایہ کاری کو کم کرنا چاہتا ہے۔

CPEC کو اب ناکام علاقائی اقتصادی منصوبوں کی فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ پاکستانی حکام بار بار اصرار کرتے رہے ہیں کہ قرضوں کی صورتحال قابو میں ہے، لیکن ایسا نہیں ہے، کیونکہ سود پر ادائیگیاں غبارے کی طرح پھیل رہی ہیں۔ چینی حکام کو غصہ دلانے کے ڈر سے، حکمرانوں نے سنکیانگ میں ایغور مسلمانوں کی حالتِ زار کو بھی نظرانداز کر دیا۔ انہوں نے ملک کے اہم انفراسٹرکچر کو چین کے حوالے کر کے ملکی خودمختاری کو بھی نقصان پہنچایا ہے۔ بلوچ شورش کو روکنے کے بجائے، اس منصوبے نے درحقیقت چینی مداخلت کے خلاف ناراضگی پیدا کر کے اسے مزید بڑھا دیا ہے۔ اس منصوبے کی وجہ سے سات سال گزرنے کے بعد بھی ملک میں کوئی خاطر خواہ نوکریاں پیدا نہیں ہوئی ہیں۔ مجموعی طور پر، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ CPEC کو اب علاقائی اقتصادی راہداری کے اُن منصوبوں کی فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے جو مایوس کرنے میں ناکام نہیں رہے ہیں۔ CPEC اپنی نوعیت کا ایک استعماری منصوبہ ہے۔ چین کے لیے اس کے اسٹریٹجک اور معاشی فوائد پاکستان کے لیے معمولی فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔ جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے، تو یہ منصوبہ اس وقت اس کی چین کے لیے پالیسی کے بالکل مطابق ہے، یعنی چین کو

اقتصادی منصوبوں میں مصروف رکھنا تاکہ چین اسی خطے میں سرمایہ کاری کرتا رہے ، اور بحرالکاہل کنارے کے منظر نامے میں زیادہ جارحانہ انداز نہ اپنائے۔

شمال-جنوبی CPEC منصوبے کی واضح ناکامی اور چین کے حوالے سے امریکہ کی نئی حکمتِ عملی کے پیش نظر، پاکستان کے حکمران اب مشرقی مغربی راہداری، جو پاکستان اور افغانستان کے راستے بھارت کو وسطی ایشیا سے جوڑے گی، کو دوبارہ بحال کرنے کے بارے میں بات چیت کے لیے کود پڑے ہیں۔ درحقیقت پاکستان کی قیادت نے چین کے عمودی (vertical) علاقائی رابطے کے برعکس اُفقی (horizontal) علاقائی رابطے کے بارے میں بحث امریکی ضروریات کے مطابق شروع کی ہے۔ امریکہ نے چین کے بارے میں اپنے ردعمل کو دوبارہ ترتیب دیا ہے، اور اسے خطے میں شراکت دار کے طور پر قبول کرنے سے آگے بڑھتے ہوئے، اس پر قابو پانے کے لیے زیادہ جارحانہ موقف اختیار کیا ہے۔ عمران خان کا ازبکستان کا حالیہ دورہ، نیز امریکی حکام کا یہ دعویٰ کہ امریکہ پاکستان، افغانستان اور وسطی ایشیائی ریاستوں کے درمیان اقتصادی شراکت داری قائم کرنا چاہتا ہے، دونوں اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ امریکہ افغانستان سے فوجی انخلاء کے بعد بھی وہاں اپنا اثرورسوخ برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ اور اس کے لیے وہ اپنے بے نقاب اثر و رسوخ کو مستحکم کرتے ہوئے، مقامی مزاحمت پر فتح حاصل کرنے کے لیے معاشی داؤ استعمال کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ماضی کے تجربے کے مطابق، یہ ایک مردہ گھوڑے کو چابک مارنے سے کچھ زیادہ نہیں۔ اس جغرافیائی معاشی کوششوں سے ایجنٹ حکمرانوں کی طرف سے خطے کے لیے دوبارہ تشکیل شدہ استعماری منصوبے پر عملدرآمد کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا جو پاکستان کو مزید کمزور کردے گا۔ سیاسی اور عسکری قیادت میں بدعنوان افراد معاشی فوائد اور سیاسی برتری حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں، جب کہ عوام کو بہت زیادہ افراط و تفریط کے بعد تلخ مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جغرافیائی اقتصادیات مجموعی طور پر ایک ناکام حکمت عملی رہی ہے، صرف مسلم دنیا کے لیے نہیں بلکہ یورپی یونین بھی ایک بہت بڑی ناکامی ہے، جس نے یورپی ریاستوں کو عالمی سطح پر پسماندہ مقام تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

پاکستان کے نقطہ نظر میں ایک بنیادی خرابی یہ ہے کہ جب بھی یہ کسی بھی استعماری جغرافیائی اقتصادی علاقائی رابطہ منصوبے کا حصہ بنتا ہے، چاہے وہ RCD ہو، ECO ہو، CPEC ہو یا ابھی تک نام نہاد جغرافیائی اقتصادی مشرق مغرب راہداری منصوبہ، پاکستان کی قیادت یہ سمجھنے میں ناکام رہی ہے کہ طاقت اور اثر و رسوخ اکیلے اقتصادی رابطے کے ذریعے حاصل نہیں کیا جاتا، بلکہ ایک مربوط، ہم آہنگ طاقت کے ذریعے حاصل کیے جاتا ہے، جس میں معاشی طاقت صرف ایک جزو ہے۔ دوسرے الفاظ میں، بنیادی خامی یہ ہے کہ پاکستان کی تمام کوششوں میں اس کی سرحدوں کے اندر اور باہر دونوں صورتوں میں ایک یکجہتی سوچ کا فقدان ہے۔ قومی ریاست کے ماڈل کی پابندی بذاتِ خود کئی محاذوں پر حکمرانوں کو معذور کر دیتی ہے۔ بہت سے خطوں میں ایک پیدائشی عدم استحکام ہے جس پر کوئی بھی قومی ریاست قابو نہیں پا سکتی، جب وہ اپنے راستے پر چلنے کی کوشش کرتی ہے۔ ہر قومی ریاست وقت کے ساتھ اور بدلتے ہوئے حالات میں اپنے مفادات کو دوسروں کے مفادات کے خلاف کھڑا کرتے ہوئے اپنی سرحدوں کے اندر یا باہر کے حالات پر کبھی مکمل قابو نہیں رکھ پاتی۔ پاکستان میں پالیسی سازوں نے جس چیز کو نظر انداز کیا وہ یہ ہے کہ اسلامی حکمرانی ہی وہ وجہ تھی جس کے باعث وسطی ایشیائی ریاستوں کے ماضی میں برصغیر پاک و ہند کے ساتھ اتنے مضبوط روابط تھے، جو دورِ حاضر میں نہیں ملتے۔ اسلام کو مکمل طور پر نافذ کیا گیا تھا، کوئی قومی ریاستی حدود نہیں تھیں کہ جو خراسان کے ولایت اور ہند کے ولایت کے مابین سامان اور خدمات کے تبادلے کو روک پاتیں۔ اسلام نے مسلم علاقوں کے اندر ایک استحکام پیدا کرنے والی قوت کے طور پر کام کیا، تجارتی راستوں کی حفاظت اور اہمیت کو یقینی بنایا، چاہے وہ خلافت کی ولایات میں ہو، یا اس کے اثر و رسوخ کے باہر اسے دیگر علاقوں سے جوڑنے والے راستے، جیسے قدیم شاہراہ ریشم۔ اسلام نے ماضی کے والیوں کو ان کے موجودہ معذور مغربی ایجنٹ ہم منصبوں کے مقابلے میں بہت زیادہ اختیارات دیے جو ان کی کئی گنا زیادہ کامیابیوں کا باعث بنا۔

افغانستان سے سوویت افواج کے انخلا نے پاکستان کو ایک سنہری موقع پیش کیا، جسے ایجنٹ حکمرانوں نے استعماری سوچ پر عمل درآمد کرتے ہوئے ضائع کر دیا۔ آج افغانستان سے امریکی فوجیوں کا حالیہ انخلا بھی اسی طرح کا موقع فراہم کرتا ہے۔ تاہم، یہ موقع بھی آسانی سے ضائع ہو سکتا ہے، کیونکہ اسلام علاقائی سوچ کی بنیاد نہیں ہے۔ لہٰذا

اس خطے کی بے پناہ معاشی اور سیاسی صلاحیتوں سے مکمل طور پر فائدہ اٹھانے کے لیے، اسلام کو دوبارہ حکمرانی کے طور پر اختیار کرنا ہوگا۔ اس خطے کے مسلمانوں کے ماضی کے تجربے کو دیکھتے ہوئے، جب بھی اسلام کسی تحریک کی بنیاد بنا، ہم اسلام کے نام پر ایک نیا وطن حاصل کرنے سے لے کر ایک سپر پاور کو شکست دینے تک بظاہر ناممکن سمجھے جانے والے معرکے سرانجام دینے میں کامیاب رہے۔ تاہم اسلام کو صرف ایک نعرے تک محدود رکھنے اور جغرافیائی اقتصادیات پر علاقائی منصوبوں کو چلانے کے بجائے، اسے ایک آئیڈیالوجی کے طور پر زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی بھی علاقائی منصوبے کے پیچھے محرک قوت اسلام کو ہونا چاہیے، جو صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب اسے خلافت کی شکل میں مکمل طور پر نافذ کیا جائے۔ اگر اللہ نے چاہا تو پاکستان خلافت کا نقطہ آغاز بنے گا، جس کے بعد خطے کے ملحقہ علاقوں کو نسبتاً آسانی سے ضم کیا جا سکتا ہے جو کہ افغانستان، ازبکستان، ترکمانستان، تاجکستان اور کرغیزستان سے لے کر قازقستان تک اور پھر سائبیریا کے میدانوں سے بحیرہ عرب تک پھیلا ہوا ہے۔ اس وسیع و عریض، براعظم کے حجم کی خلافت میں، اسلام ایک وحدت بخشنے والی قوت کے ساتھ ساتھ استحکام دینے والی قوت کے طور پر بھی کام کرے گا۔ اسلام شکایات کی اصل وجہ کو دور کرتے ہوئے قدرتی طور پر کسی بھی شورش کو ختم کرے گا اور اس کی جگہ ایسے مقصد کو فروغ دے گا جو دنیا کی تنگ حدود سے باہر کبھی نہ ختم ہونے والی آخرت تک محیط ہو گا۔ مسلمانوں کے خلیفہ کو پالیسی سازی کے حوالے سے بے پناہ اختیار حاصل ہو گا۔ موجودہ تقسیم شدہ قومی ریاستوں کے مقابلے میں خلافت بہت زیادہ اسٹریٹجک بالادستی کے ساتھ ساتھ افرادی قوت، وسائل، سرمایہ کاری اور رسد میں نمایاں فروغ حاصل کرے گی۔ یہ اپنے قریب موجود کسی بھی طاقت، چاہے چین ہو، روس ہو یا بھارت، سب کے مقابلے میں براہ راست کھڑی ہو سکے گی۔ مزید یہ کہ اسلامی خلافت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ آئیڈیالوجی کی بنیاد پر واحد طاقت ہونے کا سب سے زیادہ فائدہ ہو گا۔ پس جو لوگ اسلام کے غلبے کے نظریے سے مخلص ہیں، انھیں چاہیے کہ وہ نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کے دوبارہ قیام کے لیے کام کریں۔

**حوالہ جات:**

1. جب پاکستان نے سپر پاور بننے کی کوشش کی۔

https://www.youtube.com/watch?v=xipS91mvXEE

2. چین پاکستان اقتصادی راہداری کی جغرافیائی اقتصادیات۔

https://www.youtube.com/watch?v=p3P3phdEibY

3. RCD۔ کی یادیں

https://www.thenews.com.pk/print/90319-Memories-of-the-RCD

4. پاکستان،افغانستان،ازبکستان اور امریکہ علاقائی تعاون کے لیے پلیٹ فارم بنانے کے لیے شراکت دار ہیں

https://www.dawn.com/news/1635424

فہرست

# سوال وجواب: جنیوا میں امریکہ روس سربراہی ملاقات کے اثرات

(عربی سے ترجمہ)

**سوال:** بدھ 16 جون 2021 کو جنیوا میں امریکی صدر بائیڈن اور روسی صدر پوٹن کے درمیان پہلی سربراہی ملاقات ہوئی، اس ملاقات کی کیا اہمیت ہے؟ اس کا ہدف کیا ہے؟ کیا جنیوا میں دونوں صدور کی ملاقات سے کچھ مثبت نتائج برآمد ہوئے، یعنی کیا روس امریکہ تعلقات کئی سال بعد بہتری کی جانب گامزن ہوں گے؟ کہا جارہا تھا کہ دونوں ملکوں کی تاریخ میں یہ بدترین تعلقات تھے۔

**جواب:**

امریکہ روس سربراہی ملاقات کے اثرات کو گزشتہ چند سال کے دوران دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کی کشیدگی کے پس منظر کو سمجھے بغیر ممکن نہیں:

1۔ بیشتر ذرائع ابلاغ اور بعض سیاست دان دونوں ملکوں، امریکہ اور روس کو، "دو بڑی طاقتیں" کہتے ہیں جو کہ اذہان میں امریکہ اور "سوویت یونین" دو بڑی ریاستوں کا تسلسل ہے جن میں سے ہر ایک کا اپنا کیمپ تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ سوویت یونین کے انہدام کے بعد ریاست روس جس کمزوری سے دوچار ہوئی اس نے اس کو عالمی سطح پر امریکہ کے ساتھ مقابلے کے مرتبے سے کافی حد تک گرادیا۔ یہی وجہ ہے کہ روس اور امریکہ کے درمیان ہونے والی سربراہی ملاقات امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان سربراہی ملاقات، جس کے کئی نتائج ہوتے تھے، سے بہت کمتر ہے، کیونکہ روس کی عظمت کے عناصر میں سے عسکری قوت خاص کر ایٹمی اور میزائلوں اور فضائی صلاحیتوں کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں رہا، اس کے علاوہ روس میں عظمت کی کوئی بات باقی نہ رہی!

2۔ امریکہ روس تعلقات میں دراڑیں اوباما انتظامیہ کے آخری دور میں پڑنے لگیں جب 2014 میں روس کی جانب سے کریمیا پر قبضے کے سبب اس پر پابندیاں لگائی گئیں اور اس کو جی ایٹ (G-8) سے نکال باہر کیا گیا، پھر 2016 میں امریکی انتخابات میں مداخلت پر مزید پابندیاں لگائی گئیں۔اوباما انتظامیہ نے 35 روسی سفارتکاروں کو نکال کر جنوری 2016 میں روسی انٹیلی جنس اداروں پر پابندیاں لگادیں یعنی امریکی انتخابات میں ٹرمپ کی کامیابی کے بعد اقتدار سنبھالنے سے چند دن قبل یہ اقدامات لیے گئے (ڈیوچ ویلے 2017/1/14)۔۔۔پوٹن کے حوالے سے ٹرمپ کی زبانی جمع خرچ کے باوجود امریکہ نے روس پر مزید پابندیاں لگانے کے سلسلے کو جاری رکھا، دوطرفہ تعلقات کشیدگی کی طرف ہی دھکیلتا رہا، کئی امریکی شہروں میں روسی قونصل خانوں کو بند کردیا، امریکہ میں روسی نیوز چینلز کے گرد گھیرا تنگ کیا۔ روس پر امریکی پابندیاں باوجوہ بھی تھی اور بلاوجہ بھی، روسی اپوزیشن لیڈر نافلنی کی گرفتاری پر پابندیاں لگائی، 2018 میں برطانیہ میں روسی اپوزیشن لیڈر سکریپال کو زہر دینے کا الزام لگا کر پابندیاں لگائی، سائبر حملوں کا الزام لگا کر روسی ٹیکنالوجی کی کمپنیوں پر پابندیاں لگائی جیسا کہ ٹرمپ انتظامیہ کے آخری دنوں میں ہوا۔ بائیڈن انتظامیہ کے آتے ہی تعلقات مزید بگڑ گئے چنانچہ امریکی صدر بائیڈن نے روسی صدر پوٹن کو "قاتل" کہااور یہ کہ اس کو امریکی انتخابات میں مداخلت کی قیمت چکانی پڑے گی (سکائی نیوز عربی 2021/3/17)۔ اس کے بعد مارچ 2021 میں روسی سفیر نے واشنگٹن چھوڑ دیا، پھر اگلے مہینے امریکی سفیر ماسکو سے چلے گئے۔۔۔امریکہ نے روس کو عالمی مالیاتی نظام سے الگ کرنے کی دھمکی دی۔

3۔ بائیڈن کی ڈیموکریٹک انتظامیہ کو روس اور اس کے صدر پوٹن سے نفرت ہے، وہ اس پر الزام لگاتے ہیں کہ 2016 میں ہیلری کلنٹن کے صدارتی انتخابات میں شکست کا ذمہ دار وہ ہے، جب ڈیموکریٹک اپوزیشن میں تھے، وہ سابق امریکی صدر ٹرمپ سے روس کو سزا دینے کا مطالبہ کرتے تھے اور اس پر روس کے ساتھ ساز باز کا الزام لگاتے تھے، وہ اس کو تنگ کرتے تھے اور 2020 انتخابات جیتنے کی صورت میں روس کو دھمکی دیتے تھے۔ جب ان انتخابات میں ڈیموکریٹک صدر بائیڈن کامیاب ہوئے اور ساتھ ہی "سولر ونڈوز" کمپنی، جس کو امریکی حکومت کی حساس ایجنسیاں استعمال کرتی ہیں، کے خلاف بھرپور سائبر حملے ہوئے، تو امریکی انٹلی جنس نے ان سائبر حملوں کا الزام روس

پر لگا یا۔۔امریکہ روس کو "دشمن" کہنے لگا۔۔بلکہ سربراہی ملاقات سے دو دن قبل امریکہ نے یوکرائن کو نیٹو میں شامل کرنے کی دھمکی دی!اسی لیے یہ ملاقات دونوں ریاستوں کے درمیان موجود کشیدگی سے میل نہیں کھا رہی تھی، بلکہ اس کا ایک اور پہلو ہے،اس کے پس منظر اور پیش منظر پر غور و فکر کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ:

ا۔دونوں صدور کے درمیان ملاقات ڈھائی گھنٹے بعد اختتام پذیر ہوئی حلانکہ یہ چار گھنٹے جاری رہنے کا فیصلہ ہوا تھا۔ دونوں صدور نے مشترکہ پریس کانفرنس بھی نہیں کی بلکہ ملاقات کے بعد دونوں نے الگ الگ پریس کانفرسیں کی اور الجزیرہ نے 16 جون 2021 کو دونوں کانفرسوں کو ٹیلی کاسٹ کیا،اسی طرح دوسرے ذرائع ابلاغ نے بھی براہ راست نشر کی۔ دونوں طرف سے مشترکہ بیان صرف اتنا تھا کہ فریقین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ دونوں کے درمیان ایٹمی جنگ میں کسی کی جیت نہیں ہو گی حلانکہ دونوں کے درمیان ایسی کسی جنگ کے کوئی آثار نہیں۔امریکی صدر بائیڈن نے اس عزم کا اعادہ کیا کہ واشنگٹن اسٹریٹیجک ہتھیاروں میں کمی کے معاہدے اسٹارٹ 3 کی پاسداری کرے گا، اس حوالے سے جس کمیٹی کی تشکیل پر فریقین نے اتفاق کیا وہ اس حوالے سے مطلوبہ کامیابی حاصل کرے گی۔ دونوں ملکوں کے درمیان بہت سے اختلافی مسائل کو زیر بحث لایا گیا۔ روسی صدر نے اپنے امریکی ہم منصب سے خود کو "قاتل" کہنے کے حوالے سے سوال کیا۔ بائیڈن نے اپنے پریس کانفرنس میں روسی اپوزیشن لیڈر نافلنی کے جیل میں مرنے کے ممکنہ تباہ کن اثرات کے بارے میں بات کی۔انہوں نے اجلاس کو مفید اور مثبت قرار دیتے ہوئے ضمنی طور پر یہ بھی اعتراف کیا کہ ملاقات روس کو دھمکی دینے کے لیے تھی کہ اگر اس نے دوبارہ امریکی انتخابات میں مداخلت کی یا اگر دوبارہ سائبر حملے کیے تو اس کے نتائج خطرناک ہوں گے۔ روسی صدر نے اپنے پریس کانفرنس میں کہا کہ یہ کہنا مشکل ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان اچھے تعلقات ہیں، مگر انہوں نے اس حوالے اچھی امید کا اظہار کیا،تاہم انہوں نے گوانتاناموبے اور دوسرے ملکوں میں امریکی انٹلی جنس کے عقوبت خانوں، سیاہ فاموں اور دوسری اقوام کے خلاف امریکہ کے غیر انسانی سلوک پر انسانی حقوق کے مسائل کے حوالے سے امریکہ کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ یہ امریکہ کی جانب سے روس کے اندر انسانی حقوق کا واویلا کرنے کے جواب میں تھا۔ بائیڈن نے پوٹن کے ساتھ براہ راست ملاقات کی

اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ دو طرفہ تعلقات میں کسی بھی غلط فہمی سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے، انہوں نے کہا کہ تعلقات کے مستقبل کا دار و مدار روس کے اقدامات پر ہے۔

ب۔ باریک بینی سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ ہی روس پر دباؤ ڈالنے میں پہل کر رہا تھا، امریکہ ہی نے تعلقات اس قدر خراب کیے کہ روسی صدر پوٹن نے کچھ عرصہ پہلے ان کو "بڑے حد تک تباہ کن" قرار دیا، پھر امریکہ ہی نے جن اختلافی نقات پر بات ہونی تھی اُن پر اتفاق کیے بغیر ہی دونوں سربراہوں کے درمیان ملاقات کا اہتمام کیا۔ روس نے اس سے خیر کی امید لگائی اور خوشی کا اظہار کیا کہ بائیڈن پہلا امریکی صدر ہے جس نے صدر بننے کے بعد سب سے پہلے روسی صدر سے ملاقات کی جو کہ واشنگٹن کی جانب سے ماسکو کو اہمیت دینے کی دلیل ہے۔ اس کے جواب میں بائیڈن نے برطانیہ کا دورہ کر کے برطانوی وزیر اعظم جونسن سے ملاقات کی پھر جی سیون کا سربراہی اجلاس برطانیہ میں بالمشافہ رکھا حالانکہ پہلے یہ اجلاس انٹرنیٹ کے ذریعے کیے جانے کی توقع تھی، مزید یہ کہ بائیڈن نے برسلز میں نیٹو کا سربراہی اجلاس منعقد کیا جہاں کئی ملاقاتیں کی جن میں سے ایک ترک صدر اردوگان کے ساتھ بھی تھی۔ برسلز میں بائیڈن نے غیر متوقع طور پر یورپی پارلیمنٹ کے سربراہ چارلس مائیکل اور یورپی کمشن کے سربراہ اور سولا دیر لاین سے بھی ملاقات کی، اس طرح بائیڈن اور پوٹن کی ملاقات بھی ان بہت ساری ملاقاتوں میں سے ایک ملاقات بن گئی، یعنی روس کی جانب سے پوٹن کے ساتھ خصوصی ملاقات کی امید پر پانی پھیر دیا!

ج۔ اس سب کی وجہ سے یہ کہنا ممکن ہے کہ دونوں سربراہوں کے درمیان ملاقات کے نتائج بہت ہی معمولی نوعیت کے ہیں جو کہ دونوں طرف سے اپنے سفراء کو ایک دوسرے کے دارالحکومت میں تعینات کرنے تک محدود ہے۔ اسی طرح اسٹارٹ 3 (اسٹریٹیجک ہتھیاروں میں کمی کا معاہدہ) کی پاسداری کے عزم کا اعادہ اور یہ کہ تعلقات میں بہتری کا دار و مدار روسی اقدامات پر ہے، یعنی کہ روس کی مزید پسپائی کیونکہ اس نے اسٹریٹیجک غلطیاں کیں جیسا کہ اس نے شام میں امریکہ کی مدد کر کے کی ہے۔ روس کے صدر پوٹن کی جانب سے شام میں مداخلت کا اعلان بھی 28 ستمبر 2015 میں نیو یارک میں اوباما کے ساتھ ملاقات کے بعد ہوا تھا، یوں روس نے امریکہ کی عسکری خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا تھا، اس کی وجہ روس کی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ شدید بغض اور 2014 میں کریمیا پر قبضے کی

وجہ سے عالمی تنہائی تھی جس کے بعد اس پر مغرب کی جانب سے پابندیاں لگی تھیں۔ مگر اہم بات یہ ہے کہ امریکہ نے روسی عسکری خدمات کا فائدہ اٹھایا اور شام میں اپنے اثرورسوخ کو بچانے میں روس کی خدمت کی اہمیت کو دیکھا تو امریکہ کے اندر یہ لالچ پیدا ہوئی کہ روسی خدمات کو چین کے سمندر میں منتقل کی جائے۔ روس کی جانب سے یہ جانتے ہوئے بھی کہ بشار امریکی ایجنٹ ہے اس کو بچانے کے لیے شام میں مداخلت بڑی اسٹریٹیجک غلطی تھی جو کسی بھی خودمختار ریاست کا کوئی عقلمند سربراہ ایسی غلطی نہیں کر سکتا۔

د۔ جہاں تک امریکہ کی جانب سے روس پر دباوڈلنے کے غیر اعلانیہ اہداف کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ امریکہ چین کے خلاف اپنی پالیسی میں روس کو عالمی پتھر بنانا چاہتا ہے۔ چین پر دباؤ ڈالنے کے لیے روس کو شریک کار بنانے اور گذشتہ صدی کی ساٹھ کی دہائی میں ویتنام کی جنگ کے دوران روس کو امریکہ کے ساتھ پرامن طریقے سے رہنے پر مجبور کرنے کی پالیسی کا معمار سابق امریکی وزیر خارجہ ہنری کیسنجر ہے اور اسی امریکی بوڑھے کو امریکی سیاسی حلقے اسٹریٹیجک سیاسی مفکر اور بین الاقوامی سیاست پر گہری نظر رکھنے والا سمجھتے ہیں۔ اسی لیے انہی حلقوں نے 2016 میں ان کے ساتھ دونوں امریکی صدارتی امیدواروں ہیلری کلنٹن اور ڈونلڈ ٹرمپ کے ساتھ دو اہم الگ الگ ملاقاتوں کا اہتمام کیا جب اس کی عمر نوے کی دہائی میں ہے، دونوں کو اس نے چین کے خلاف روس کو اپنا شریک کار بنانے کی نصیحت کی۔

ھ۔ ان امریکی اہداف کے غیر اعلانیہ ہونے کے باوجود امریکہ ان کو کبھی ایک ذریعے سے اور کبھی دوسرے ذریعے سے روس کے سامنے رکھتا ہے اور روس ان اہداف کو اچھی طرح جانتا ہے، اسی لیے روسی وزیر خارجہ لاوروف نے کہا کہ "امریکہ روس کو اپنے مفادات کے آلہ کار میں تبدیل اور چین کے سامنے لا کھڑا نہیں کر سکتا۔۔۔ جبکہ امریکی اب اس پر بحث کر رہے ہیں کہ روس کو کیسے چین کے خلاف اپنے مفادات کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔۔۔ وہ ہمیں امریکہ کے مفادات کے آلہ کار کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں"۔ انہوں نے مزید کہا کہ: "ظاہری بات ہے وہ ہمیں ایسا کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے" (آر ٹی 2018/12/24)۔

و۔امریکہ روس سے بالکل یہی چاہتا ہے، اسی لیے وہ روس پر دباؤ ڈالتا ہے اور چین کو قابو کرنے کے لیے روس کو شریک کار بنانے کے ہنری کیسنجر تھیوری پر عملدرآمد کرنے کے لیے اس کے ساتھ ماحول کو گرماتا ہے، ورنہ روس نہ معیشت میں امریکہ کا مقابلہ کر رہا ہے نہ ہی عالمی سیاست میں اور نہ ہی اس کے اندر بڑی ریاست بننے کی کوئی طاقت ہے سوائے عسکری قوت کے۔امریکہ سوویت یونین پھر امریکہ روس معاہدوں نے روسی عسکری قوت کو امریکہ کے لیے خطرہ بننے کے دائرے سے باہر کر دیا ہے، بلکہ امریکہ بہت سارے معاہدوں، جیسے 1972 میں ہونے والے اینٹی میزائل معاہدے، سے نکل گیا اور اپنا میزائل ڈیفنس شیلڈ بنایا۔ روس کی معیشت اتنی مضبوط نہیں کہ وہ اپنی عسکری صلاحیتوں کو مزید ترقی دے کر ایسا بنائے جیسا کہ امریکی صلاحیتیں ہیں۔۔۔ لہٰذا روس کی ایٹمی اور اسٹریٹیجک قوت امریکہ کے ساتھ تعلقات کی کشیدگی کا سبب نہیں، بلکہ روس کے ساتھ تعلقات کی اس کشیدگی کا مقصد اس پر دباؤ ڈال کر اس کو چین سے دور کرنا ہے کیونکہ امریکہ کی توجہ چین پر ہی مرکوز ہے، اسی لیے اس کے سابق سیکریٹری دفاع پیٹریک شاناہان نے اپنی عسکری قیادت سے چین پر توجہ مرکوز کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا" چین، پھر چین، پھر چین"(الجزیرہ نیٹ 2019/1/3)۔

ز۔امریکہ روس کے ساتھ اپنے تعلقات کشیدہ کرنے کے باوجود اب تک اس کو چین کے سامنے کھڑا کرنے کے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے، خاص طور پر امریکہ روس پر دباؤ ڈالنے کے ساتھ ساتھ تجارتی جنگ کے ذریعے چین پر بھی دباؤ ڈال رہا ہے۔اس چیز نے روس اور چین کے درمیان قربت پیدا کی۔۔۔یعنی امریکہ کی جانب سے روس کو چین کے خلاف اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کرنے کی کوشش کے نتائج امریکی خواہش کے برعکس برآمد ہونے لگے ہیں، یقیناً وہ روس کی چین سے قربت کے خطرے کو بھانپ رہا ہے۔۔۔اسی لیے بائیڈن انتظامیہ نے روس پر "دباؤ" ڈالنے کے اسلوب کو ایک طرف رکھا اور اس کی جگہ اس کو "امید دلانے" کا اسلوب اپناتے ہوئے سربراہی ملاقات کی کہ اس کے نتیجے میں روس اور چین کے درمیان کسی حد تک دوری ہو گی۔۔۔اسی لیے اس کے ساتھ گفت وشنید کا سلسلہ اس کمیٹی کے ذریعے شروع کیا جس کو سربراہی ملاقات کے موقع پر بنایا گیا تھا۔

4۔یوں بائیڈن پوٹن ملاقات اس ہدف کے حصول کے لیے ہے یعنی پوٹن کو امید دلانے، امریکی کشیدگی اور روس پر پابندیوں کے دباؤ کو کم کرنے، چین کے حوالے سے اس کے موقف کو امریکہ کے لیے معاون بنانے یا کم از کم روس اور چین کے درمیان قربت کو روکنا۔ دونوں ملکوں کے درمیان کشیدگی کے حوالے سے دوسرے نکات کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں، مثال کے طور پر ان کے درمیان شام کے حوالے سے گفتگو ہوئی، امریکہ شام کے مسئلے کو اپنی مرضی کے مطابق حل کرنا چاہتا ہے، روس اس کا مخالف نہیں اس کو بس چہرہ چھپانے کی ضرورت ہے، اسی طرح افغانستان میں روس امریکیوں کے پیروں تلے سے زمین کھینچنے کے قابل نہیں جیسا کہ گذشتہ صدی کی اسی کی دہائی میں امریکہ نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ جہاں تک روس کی جانب سے امریکی انتخابات میں مداخلت کی بات ہے تو یہ انٹرنیٹ کو اثر انداز ہونے کے لیے ایک نئے وسیلے کے طور پر استعمال کرنے سے متعلق ہے، شاید روس امریکہ کے خلاف رد عمل کی طاقت نہیں رکھتا تھا ورنہ وہ اس مداخلت سے باز رہتا۔ جہاں تک ان سائبر حملوں کی بات ہے جن کا الزام امریکہ روس پر لگا رہا ہے تو وہ کوئی موثر نہیں اور نہ ہی ان کا مداوا مشکل ہے اسی لیے بائیڈن نے سربراہی ملاقات میں اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر روس نے دوبارہ ایسی حرکت کی تو امریکہ روس میں گھسنے اور الیکٹرونک تخریب کاری کرنے کی بھرپور قوت رکھتا ہے، اس نے روسی تیل کے پائپ لائنوں کو خراب کرنے کی قوت کی مثال دی۔۔۔

5۔ روسی صدر جنیوا سے روانہ ہوتے ہوئے یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ امریکہ آنے والے مہینوں میں روسی اقدامات کا منتظر ہوگا اور وہ مشترکہ طور پر تشکیل پانے والی کمیٹی کے ذریعے ان کی چھان بین کرے گا۔ روسی صدر یہ بھی جانتا ہے کہ امریکہ روس پر دباؤ ڈالنے کی بھرپور قوت رکھتا ہے بعض کو تو اس نے آزمایا بھی۔ اسی طرح روسی صدر یہ بھی جانتا ہے کہ چین اس کو چھوڑ کر مغرب کی طرف متوجہ ہوگا کیونکہ مغرب کے ساتھ اس کے تجارتی مفادات روس کے ساتھ تجارتی مفادات سے بہت بڑے ہیں، اس سب کی وجہ سے آنے والے مہینوں میں روس امریکہ تعلقات میں بہتری کی توقع ہے اور سفراء کی بحالی اس کی طرف پہلا قدم ہے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ روس چین تعلقات سرمہری کی راہ پر گامزن ہونگے، امریکہ کے ساتھ روس کے تعلقات میں گرم جوشی کے ساتھ چین کے ساتھ روسی تعلقات میں سردمہری بڑھتی جائے گی۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکی صدر بائیڈن کی جانب

سے روسی صدر پوٹن کے ساتھ سربراہی ملاقات کی پیش رفت نے روس اور چین کے درمیان قربت کی راہیں مسدود کردیں ہیں۔ اسی طرح روس کو چین پر دباؤ ڈالنے کی راہ پر ڈال دیا گیا ہے اگرچہ یہ کیسنجر تھیوری کے مطابق امریکی توقعات سے کم درجے کا ہے۔ اگر یہ نہ ہو سکا اور پوٹین کی قیادت میں روس کے اندر سرکشی جاری رہی تو اس بات کی توقع ہے کہ بائیڈن انتظامیہ روس پر دباؤ کو دگنا کردے گی اور قفقاز کے گرد آگ کی پٹی سے اس کو دھمکائے گی، آذربیجان آرمینیا تنازعے پھر یوکرائن تنازعے کو ہوا دے گی اور مغرب اپنی سرزمین کو ایک کرنے کے لیے یوکرائن کی حمایت کرے گا۔۔۔

یوں یہ سرکش ریاستیں اور ان کا سرغنہ امریکہ انسانوں کے فائدے کا نہیں سوچتے بلکہ صرف اپنے مفادات کا سوچتے ہیں چاہے اس کے لیے لوگوں کو قتل کرنا پڑے۔

**﴿أُوْلَئِكَ شَرٌّ مَّكَاناً وَأَضَلُّ عَن سَوَاء السَّبِيلِ﴾ "یہی لوگ بدترین ٹھکانے والے اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں"** (المائدہ، 5:60)۔

**9 ذی القعدۃ 1442ھ**

**2021/6/20**

فہرست

# سوال وجواب: دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے بعد حزب کا کام کیا ہو گا

(عربی سے ترجمہ)

ابو موسو کو

**سوال:** السلام علیکم ہمارے امیر آپ کیسے ہیں؟ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ جب اسلامی ریاست قائم ہو گی تو حزب کونسے مرحلے پر گامزن ہو گی؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حزب تیسرے مرحلے کی حالت میں گامزن ہو گی اور بعض کہتے ہیں کہ حکمرانی کی طرف منتقل ہوتے ہی تیسرا مرحلہ پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا اور حزب بالکل نیا کام شروع کرے گی جو کہ حکمرانوں کے احتساب اور معاشرے کو سدھارنے کا ہے۔۔۔ کونسی بات درست اور راجح ہے؟

**جواب:**

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہم نے التعریف کتاب میں یہ ذکر کیا ہے:

8۔ حزب التحریر کا طریقہ

☆ دعوت کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے میں چلنے کا طریقہ احکام شرعیہ میں سے ہے، جو دعوت میں رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے اخذ کیے گئے ہیں کیونکہ آپ کی پیروی فرض ہے، الہ تعالی کا ارشاد ہے: ((لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا)) "یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن سے امید رکھتا ہو اور اللہ کو خوب یاد کرتا ہو" (الاحزاب) اور اللہ کا ارشاد ہے: **((قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ)) "کہدیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی**

**کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کرے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا مہربان ہے"** (آل عمران)

اسی طرح اللہ کا ارشاد ہے: **((وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ)) "اور جو رسول تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو"** (الحشر)۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے فرض ہونے، آپ کو نمونہ بنانے اور آپ سے ہی اخذ کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔

☆ مسلمان دار الکفر میں زندگی گزار رہے ہیں اور ان پر حکمرانی اللہ کے نازل کردہ کے ذریعے نہیں ہو رہی ہے اس لیے ان کا دار رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت مکہ سے مشابہ ہے اس لیے دعوت کے مرحلے میں مکی دور کی پیروی ہی ان پر لازم ہے۔

☆ مدینہ میں ریاست کے قیام تک مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی چھان بین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کچھ واضح اور نمایاں مراحل سے گزرے، جن میں آپ ﷺ نے مخصوص اور نمایاں اعمال انجام دیے تھے۔ اس لیے حزب نے اس کو اپنا طریقہ کار بنایا اور وہ انہی مراحل پر گامزن ہے اور رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم کی پیروی میں ان مراحل میں وہی اعمال انجام دے رہی ہے۔

اسی بنا پر حزب نے اپنا طریقہ متعین کیا کہ وہ تین مراحل سے گزرے گی۔

پہلا: تربیت کا مرحلہ تاکہ حزب کی فکر اور طریقے پر ایمان رکھنے والے افراد وجود میں آئیں تاکہ یہ ایک حزبی گروہ بن جائیں۔

دوسرا: امت کے ساتھ تفاعل کا مرحلہ تاکہ امت اسلام کی علمبردار بن جائے اور اسلام کو اپنا موت وحیات کا مسئلہ بنائے اور اس کو کارزار حیات میں عملی طور پر وجود میں لانے کے لیے کام کرے۔

☆ تیسرا: حکمرانی ہاتھ میں لینے کا مرحلہ، اسلام کو جامع اور ہمہ گیر طور پر نافذ کرنا اور اس کو ایک پیغام کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنا۔

۔جہاں تک پہلے مرحلے کی بات ہے: اس کی ابتداء حزب نے اپنے بانی، جلیل القدر فقیہ، عظیم مفکر، ماہر سیاست دان، القدس کے قاضی شیخ تقی الدین النبہانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں القدس میں 1372 ہجری 1953 عیسوی میں کی، اس مرحلے میں حزب امت کے افراد سے رابطے کرتی تھی اور اپنی فکر اور طریقے کو انفرادی طور پر ان کے سامنے پیش کرتی تھی، جو حزب کی فکر کو قبول کرتا اس کو پڑھنے کے لیے حزب کی حلقات سے جوڑا جاتا تاکہ اس کو حزب کے افکار اور ان احکام پر چلایا جائے جن کو حزب نے اختیار کیا ہو، وہ ایک اسلامی شخصیت بنتا، اسلام کو اوڑھنا بچھونا بناتا اور اسلامی عقلیہ اور نفسیہ کا حامل بنتا اور دعوت کا علمبردار بن جاتا۔ جب وہ شخص یہاں تک پہنچتا اور اپنے آپ کو حزب پر پیش کرتا تو حزب اس کو اپنے ممبران میں شامل کر لیتی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ دعوت کے پہلے مرحلے میں کیا کرتے تھے، جو کہ تین سال تک جاری رہا جس میں آپ ﷺ انفرادی طور پر لوگوں کو دعوت دیتے تھے، جس چیز کے ساتھ اللہ نے آپ کو مبعوث کیا تھا وہ ان کے سامنے پیش کرتے اور جو ایمان لاتا اسے خفیہ طور پر اس دین کی اساس پر اپنی جماعت میں شامل کر لیتے، اس کو اسلامی تعلیمات سکھانے پر توجہ دیتے، جو کچھ نازل ہوتا اس کو پڑھواتے، اس دوران قرآن نازل ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ان کو اسلام کے ذریعے بیدار کیا، آپ ﷺ ان لوگوں سے خفیہ طریقے سے ملتے اور غیر معروف جگہوں پر خفیہ طور پر ان کو تعلیم دیتے، وہ خفیہ طور پر اپنی عبادات کرتے، پھر مکہ میں اسلام کا چرچا ہوا لوگ اس کے بارے میں گفتگو کرنے لگے اور اس میں داخل ہونے لگے۔۔۔

جب حزب اس جماعت سازی میں کامیاب ہوگئی اور معاشرے نے اس کو محسوس کیا اس کو اور اس کے افکار کو پہچان لیا کہ وہ کس بات کی طرف دعوت دے رہی ہے تو حزب دوسرے مرحلے کی طرف منتقل ہوگئی:

دوسرا مرحلہ: جو کہ امت کے ساتھ تفاعل کا مرحلہ ہے تاکہ امت اسلام کی علمبردار بن جائے، اور عام بیداری پیدا کی جائے اور حزب کے تبنی کردہ اسلامی افکار اور احکام کے حوالے سے رائے عامہ تیار کی جائے، تاکہ امت ان کو اپنے افکار بنائے اور ان کو کارزار حیات میں وجود میں لانے کے لیے سرگرم عمل ہو، ریاست خلافت کے قیام کے کام، خلیفہ کے تقرر میں حزب کے ہمسفر ہوں تاکہ اسلامی زندگی کا دوبارہ احیاء ہو اور اسلام کے پیغام کو دنیا کے سامنے پیش کیا

جا سکے۔اس مرحلے میں حزب عوام کو اجتماعی طور پر مخاطب کرنے کی طرف منتقل ہو گئی۔اس مرحلے میں مندرجہ ذیل اعمال انجام دیتی رہی:

1۔حزب کے جسم اور اس کے ممبران کی تعداد کو بڑھانے کے لیے حلقات میں توجہ کے ساتھ افراد کی تربیت، اسلام کی دعوت کا علمبردار بننے کی قدرت رکھنے والی شخصیات کی تیاری- فکری تصادم اور سیاسی جدوجہد کے ذریعے۔

2۔اسلام کے ان افکار اور احکام کے ذریعے امت کی اجتماعی تربیت جن کو حزب نے اختیار کیا ہے، مساجد اور مجالس میں درس پریزنٹیشن، عوامی اور اجتماعی میں بیانات اور اخبارات، کتابوں اور پمفلٹس کے ذریعے امت کے اندر بیداری اور اس کے ساتھ تفاعل۔

3۔کفریہ عقائد اس کے نظاموں اور افکار کے خلاف فکری جدوجہد، فاسد عقائد، غلط افکار، خلط ملط تصورات کے خلاف جدوجہد ان کی کجی، غلطی اور اسلام سے تضاد کو بیان کرنا تاکہ امت ان سے اور ان کے اثرات سے نکلے۔

4۔سیاسی جدوجہد۔۔۔۔

۔۔۔جب معاشرہ حزب کے سامنے منجمد ہو گیا اور امت کا اپنے قائدین اور ان راہنماؤں پر سے اعتماد اٹھ گیا جن سے امید لگائی ہوئی تھی، مشکل حالات نے خطے کو سازشی منصوبوں کی آماجگاہ بنایا، تسلط اور قہر کا دور دورہ ہوا جو حکمران اپنی اقوام سے روا رکھتے ہیں، حکمرانوں نے حزب اور اس کے شباب کو اذیتیں دی، جب اس سب کی وجہ سے حزب کے سامنے ایک جمود ہو گیا تو حزب نے طاقت رکھنے والوں سے نصرہ طلب کرنا شروع کی۔۔۔

حزب کی جانب سے نصرہ کے ان اقدامات کے ساتھ ساتھ اس نے ان سب کاموں کو بھی جاری رکھا جو وہ کرتی تھی حلقات میں توجہ کے ساتھ تعلیم، اجتماعی تربیت، اس بات پر توجہ کہ امت اسلام کی علمبردار بن جائے، رائے عامہ تیار کرنا، کافر استعماری ممالک کے خلاف جدوجہد اور ان کے منصوبوں کو آشکار اور انکی سازشوں کو بے نقاب کرنا، حکمرانوں کو جھنجوڑنا، امت کے مفادات کی حفاظت اور اس کے امور کی دیکھ بھال کرنا۔

۔۔۔حزب اللہ سے اس امید کے ساتھ ان سب کاموں کو جار رکھے ہوئے ہے کہ اللہ اسے اور امت مسلمہ کو کامیابی و کامرانی اور مدد سے نوازے گا، تب:

تیسرا مرحلہ: ہوگا یعنی خلافت راشدہ قائم ہو گی اور اس دن مومن اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے )التعریف کتاب سے اقتباس یہاں ختم ہو گیا۔

اسی لیے تین مراحل خلافت کے عدم موجودگی کی صورت حال میں ہیں اور اسی وجہ سے حزب کا کام ان تین مراحل میں ہے۔۔۔ جیسے ہی خلافت قائم ہو گی تو وہ سب کام جس کا تعلق ریاست کے قیام کے ساتھ ہے وہ حزب کے اعمال میں سے نہیں ہو گا، مثلاً دوسرے مرحلے کے آواخر میں ریاست کے قیام کے لیے طلب نصرہ نہیں رہے گا، اسی طرح تیسرا مرحلہ یعنی ریاست کا قیام، یہ سب نہیں ہوں گے کیونکہ اب ریاست قائم ہو چکی ہے، بلکہ اس سب کی جگہ شرعی دلائل کے مطابق حکمران کا محاسبہ ہو گا۔۔۔ تاہم باقی کام زیادہ قوت اور زیادہ سرگرمی سے جاری رہیں گے، کیونکہ ریاست کے قیام کے بعد ظلم کی جگہ عدل لے گا، اور ماحول حزب کے کام کے لیے سازگار ہو گا جو حزب کے خلاف تشدد کی جگہ لے گا، جی ہاں اس دن مومن اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے۔

ہم نے اپنی کتابوں خاص کر الکراسہ میں احکام شرعیہ کے مطابق حکمرانوں کے محاسبے کو بیان کیا ہے۔۔۔

یہ کافی ہے اللہ ہی زیادہ علم ار زیادہ حکمت والا ہے۔

**آپ کا بھائی عطاء بن خلیل ابو الرشتہ**

**1 ذی الحجہ 1442**

**11 جولائی 2021**

فہرست

# سوال وجواب: افغانستان میں سیاسی ہلچل اور اس کے اثرات

(عربی سے ترجمہ)

**سوال:** 17 جولائی 2021 کو قطر میں دو اعلیٰ سطحی وفود کے درمیان مذاکرات کے دور کا اعلان کیا گیا، جس میں سات افراد طالبان اور سات افراد افغان حکومت کی طرف سے آپس میں بنیادی مسائل پر گفت وشنید کریں گے۔ ان مذاکرات کا اعلان 8 جولائی 2021 کو امریکی صدر کی جانب سے 31 اگست تک اپنی فوج کے افغانستان سے انخلاء کو مکمل کرنے کے اعلان کے بعد ہوا۔ امریکہ نے پہلے 9 ستمبر کو انخلاء مکمل کرنے کا علان کیا تھا۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ تحریک طالبان نے افغانستان کے وسیع علاقوں میں پیشرفت کی ہے اور طالبان کے دعویٰ کے مطابق افغانستان کے 85 فیصد علاقے پر اب اُن کا کنٹرول ہے۔ 2020 میں ہونے والے دوحہ معاہدے کے تحت سیاسی شراکت داری تک پہنچنے کے لیے تحریک طالبان اور افغان حکومت کے درمیان مذاکرات ہونے ہیں۔ کیا طالبان حکومت پر مکمل قبضہ کرلیں گے یا اس میں شراکتداری قبول کریں گے؟ کیا امریکہ واقعی افغانستان سے نکلے گا یا اس کا اثر ونفوذ باقی رہے گا؟

**جواب:** ان سوال کے حوالے سے صحیح رائے کو بیان کرنے کے لیے ہم مندرجہ ذیل حقائق کو پیش نظر رکھیں گے:

1۔ امریکہ نے جب 2010 کے اواخر اور 2011 کے اوائل میں افغانستان سے انخلاء کی سنجیدگی سے منصوبہ بندی شروع کی، تب سے امریکہ نے طالبان کی سینئر قیادت سے مذاکرات شروع کرنے کی سنجیدہ کوشش شروع کی، اور پاکستان ان مذاکرات کا سہولت کار تھا۔ اُس وقت سے امریکہ نے طالبان کے حوالے سے لچک کا مظاہرہ کرنا شروع کیا، اور 2014 میں مذاکرات کے نتیجے میں قیدیوں کے تبادلے تک بات پہنچی۔ گوانتاناموبے جزیرے سے طالبان کے 5 قیدیوں کو ایک امریکی سارجنٹ (بو بیر گڈال)، جس کو طالبان نے یرغمال بنا رکھا تھا، کے بدلے رہا کیا گیا۔۔۔ پھر دو افراد کے تحت مذاکرات میں تیزی سے پیش رفت ہونے لگی، جن کی اپنے اپنے فریق کے لیے طویل خدمات ہیں۔ 5

ستمبر 2018 کو زلمے خلیل زاد کو افغانستان میں مصالحت کے لیے امریکہ کا خصوصی نمائندہ مقرر کیا گیا، اور اسے افغانستان پر امریکی عسکری قبضے کو ختم کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ خلیل زاد کے تقرر کے دو مہینے کے اندر 22 اکتوبر 2018 کو، دی نیوز نے خبر دی کہ پاکستان نے ملّا عبدالغنی برادر کو کو رہا کر دیا ہے جنہیں 8 فروری 2010 کو کراچی میں ایک چھاپے کے دوران گرفتار کیا گیا تھا اور اس کے بعد سے وہ پاکستان میں زیر حراست تھے۔ اپنی رہائی کے بعد، ملّا برادر کو دوحہ میں طالبان سفارتی آفس کا سربراہ متعین کیا گیا۔ بی بی سی نے 25 فروری 2019 کو خبر دی کہ "۔۔۔طالبان نے امریکی عہدہ داروں اور افغان حکومت کے ساتھ پے در پے مذاکرات کے دوران جن قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا ہے ان میں پہلا نام ملّا برادر کا آیا تھا، یہاں تک کہ اکتوبر 2018 میں ان کو رہا کر دیا گیا۔ یہ مذاکرات قطر کی ثالثی کے تحت ہوئے تھے"۔ اس کے بعد مذاکرات میں ان دونوں افراد نے نمایاں کردار ادا کیا۔

2۔ پھر 29 فروری 2020 کو ان مذاکرات کے نتیجے میں دوحہ معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے کی نمایاں بات بی بی سی عربی نیوز نے یہ بیان کی کہ "امریکی اور افغان عہدہ داروں نے اعلان کیا ہے کہ طالبان کی جانب سے معاہدے کی پابندی کی صورت میں، جس پر آج قطر کے دارالحکومت دوحہ میں دستخط کیے گئے ہیں، امریکہ اور اس کے نیٹو اتحادی چودہ مہینوں کے اندر افغانستان سے اپنی افواج نکال لیں گے اگر طالبان نے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کیا۔ اس معاہدے کا اعلان کابل میں امریکہ و افغان مشترکہ بیان کے ذریعے کیا گیا۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے کہا کہ یہ افغانستان میں "ایک طویل اور پر مشقت سفر تھا"۔ انہوں نے مزید کہا کہ "اتنے سال کے بعد اپنے فوجیوں کو وطن واپس لانے کا وقت آگیا ہے"۔ بی بی سی نے 29 فروری 2020 کو مزید بتایا کہ، "تنازعے میں 2400 سے زیادہ امریکی فوجی مارے گئے ہیں۔"

3۔ دوحہ معاہدے کے بعد اگرچہ تصادم کے واقعات جاری رہے، لیکن بیانات اور ملاقاتوں میں تیزی آگئی جس میں اتار چڑھاؤ بھی آتے رہے۔ 14 اپریل 2021 کو سی این این نے خبر دی کہ جو بائیڈن نے اعلان کیا ہے کہ، "میں اب افغانستان میں امریکی فوج کی قیادت کرنے والا چوتھا صدر ہوں، دو ڈیموکریٹ اور دو ری پبلیکن، میں یہ ذمہ داری پانچویں کو ہرگز منتقل نہیں کروں گا۔۔۔ امریکہ کی طویل ترین جنگ کو ختم کرنے کا وقت آگیا ہے۔" اس کے بعد 8

جولائی 2021 کو بائیڈن نے خطاب کیا جس کے بعد پریس کانفرنس کی جس کو امریکی ذرائع ابلاغ نے نشر کیا جس میں اُس نے کہا، "ہم امریکہ کی تاریخ کی طویل ترین جنگ کو ختم کر رہے ہیں۔۔۔ہم دو وجوہات کی وجہ سے گئے تھے: ایک یہ کہ اسامہ بن لادن کو جہنم کے دروازوں پر پہنچانا چاہتے تھے، دوسری وجہ یہ تھی کہ اس علاقے سے امریکہ پر مزید حملے کرنے کی القاعدہ کی صلاحیت کو ختم کرنا۔ ہم نے یہ دونوں اہداف حاصل کر لیے" اس نے مزید کہا تھا کہ "افغانستان میں ہماری فوجی مہم 31 اگست کو ختم ہو جائے گی"۔اس نے یہ بھی کہا کہ، "امریکی فوج افغانستان کی تعمیر نو کے لیے نہیں گئی تھی۔ یہ صرف افغان عوام کا حق اور ذمہ داری ہے کہ وہ جیسے مناسب سمجھیں اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں اور یہ کہ اپنے ملک کو کیسے چلانا ہے۔" بائیڈن نے یہ بھی کہا، "اور اب ترجیح چین اور دوسری اقوام کے ساتھ اسٹریٹیجک مقابلہ کرنے کے لیے امریکہ کی مرکزی مضبوطی کو جمع کرنا ہے جو ہمارے مستقبل کا تعین کرے گا۔ ہمیں اپنے گھر اور دنیا بھر میں کوویڈ-19 کو شکست دینی ہے اور اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ اگلے وبائی مرض یا بائیولوجیکل خطرے کے لیے ہم بہتر طور پر تیار ہوں۔اور ہم لمبے عرصے کے لیے اپنے دشمنوں اور مدمقابل اقوام کے لیے زیادہ ناقابل شکست ہوں گے اگر ہم نے پچھلے بیس سال نہیں بلکہ اگلے بیس سال کے لیے جنگیں لڑیں۔"

وائٹ ہاوس کی ترجمان جین ساکی نے واضح کرتے ہوئے کہا، "ہم اس حوالے سے کوئی تقریب نہیں رکھیں گے کہ 'مشن مکمل ہوا'۔ یہ ایک بیس سالہ جنگ تھی جو فوجی طور پر نہیں جیتی گئی۔" (اناتولیہ عربی، 8 جولائی 2021)، یعنی امریکہ بیس سال کی کوشش کے باجود افغانستان میں کامیابی حاصل نہ کر سکا۔2 جولائی 2021 کو امریکہ نے بگرام ائیر بیس خالی کر دیا جو کہ اس کا سب سے بڑا اڈہ تھا، اور اس سے قبل دوسرے اڈوں کو بھی بند کر چکا تھا، اپنے صلیبی مہم کو اُس وقت سے پہلے ہی عملاً ختم کیا جو کہ 11 ستمبر تھا اور بعد میں اپنے خطاب میں نئی تاریخ یعنی 31 اگست کا اعلان کر دیا۔

۔اس دوران تحریک طالبان نے اپنے عسکری حملوں کو وسعت دی، اور شمال جنوب، مغرب اور پھر مرکز میں اضلاع ان کے قبضے میں آنے لگ گئے۔ افغان سرزمین پر طالبان کے قبضے کی تیز رفتاری قابل توجہ ہے، خاص کر پڑوسی ممالک کے سرحدوں پر اور پڑوسی ممالک کے ساتھ سرحدی گزرگاہوں پر۔ماسکو جانے والی طالبان کی مذاکراتی ٹیم کے رکن شہاب الدین دلاور نے 9 جولائی 2021 کو بیان دیا کہ "تحریک نے 85 فیصد افغان سرزمین پر قبضہ کر لیا ہے۔"

لیکن افغان سیکیورٹی فورسز کے ترجمان اجمل عمر شینواری نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا "ایسا کہنا درست نہیں، بیشتر علاقوں میں جنگ جاری ہے۔" (ایجنسی فرانس پریس عربی، 11 جولائی 2021)۔ مگر طالبان کے وفد نے وعدہ کیا کہ "پڑوسی ممالک اور دوست ممالک میں مداخلت نہیں کریں گے"۔ دلاور نے کہا کہ "اس کے ماسکو کے دورے کا ہدف ان تمام معلومات کو پیش کرنا ہے جو امارت اسلامیہ کے متعلق ہیں۔ اور یہ کہ امارت اسلامی داعش کو افغانستان میں پھلنے پھولنے نہیں دے گی اور تحریک اس کے خلاف لڑے گی۔ اور یہ کہ تحریک طالبان ریاست کے عمومی ڈھانچے کا تعین کرنے کے لیے معاشرے کے نمائندوں سے مذاکرات کر رہی ہے اور یہ کام آخری مراحل میں ہے۔ اور یہ کہ تحریک کا ہدف اقتدار پر مکمل قبضہ کرنا نہیں ہے" (الجزیرہ عربی، 9 جولائی 2021)۔

4۔ پھر جولائی 2021 کو اعلان کیا گیا کہ، "افغانستان میں تنازعے کے دونوں فریقوں نے ہفتے کے دن دوحہ میں اہم ترین موضوعات پر بحث کے لیے مذاکرات کے ایجنڈے پر تبادلہ خیال کے لیے مساوی 14 ارکان پر مشتمل کمیٹی تشکیل دینے پر اتفاق کیا ہے۔ الجزیرہ نے دوحہ میں افغان مذاکراتی ذرائع کے حوالے سے خبر دیتے ہوئے کہا کہ مذاکرات کی افتتاحی نشست مثبت ماحول میں اختتام پذیر ہوئی۔ اور مذاکرات کا نیا دور افغان حکومت اور تحریک طالبان کے درمیان آج قطر کے دارالحکومت دوحہ میں شروع ہوا، اس دور میں اہم ترین مسائل کے حوالے سے بحث کی جائے گی۔ افغان مصالحتی کمیٹی کے سربراہ اور حکومتی وفد کے سربراہ عبداللہ عبداللہ نے کہا کہ ملک میں امن کا حصول دونوں فریقوں سے نرمی کا تقاضا کرتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اب زمین امن کے لیے سازگار ہے۔ دوسری طرف دوحہ میں طالبان دفتر کے ترجمان ملّا عبدالغنی برادر نے کہا کہ وہ آج دوحہ میں شروع ہونے والی افغان امن بات چیت کے مثبت نتائج کے لیے بھرپور کوشش کریں گے۔ (مصدر: الجزیرہ عربی اور ایجنسیاں)

5۔ پھر 14 رکنی کمیٹی نے اپنی سرگرمیوں کا اختتام آج، 18 جولائی 2021 کو کیا اور اس گفت وشنید کے حوالے سے ایک مشترکہ بیان جاری کیا، "دوحہ میں الجزیرہ کے نمائندے نے کہا کہ افغان حکومت اور طالبان تحریک کے وفود نے قطر کی وساطت سے دوحہ میں جاری حالیہ مذاکرات کے حوالے سے مشترکہ بیان پر اتفاق رائے کر لیا ہے کہ دوحہ بات چیت کے تحت جلد ایک اور اجلاس ہوگا۔ دونوں فریقین نے دہائیوں سے جاری تصادم کا منصفانہ حل

نکالنے کے لیے مذاکرات کو تیز کرنے پر اتفاق کیا ہے۔ حکومتی اور طالبان وفود کے مشترکہ بیان میں بتایا گیا کہ ان کے درمیان ایک معاہدہ ہوا ہے کہ منصفانہ حل تک پہنچنے کے لیے مذاکرات کو تیز کرنے پر اتفاق ہوا ہے، اور یہ عہد کیا ہے کہ جب تک حل پر پہنچ نہیں جاتے اعلیٰ سطح پر مذاکرات ہوتے رہیں گے۔ اس طرح افغان امن بات چیت کا دوسرا دور ختم ہوا، جس کا ہدف ملک میں دہائیوں سے جاری جنگ کے بعد امن کے قیام کے لیے سیاسی حل پر پہنچنا ہے۔ تحریک طالبان کے وفد میں موجود ایک ذرائع نے بتایا کہ تحریک نے تجویز دی ہے کہ تحریک اور حکومت کے درمیان اعتماد کی فضاء پیدا کی جائے، جس کے لیے دونوں فریق قیدیوں کو رہا کریں اور عید الاضحیٰ کے دوران وقتی جنگ بندی کا اعلان کیا جائے۔۔۔" (مصدر: الجزیرہ اور ایجنسیاں)

6۔ اُن ممالک کا موقف جاننا بہت اہم ہے جن کو امریکہ افغانستان میں طالبان کے ساتھ مذاکرات کے لیے سرگرمی سے استعمال کر رہا ہے:

ا۔ پاکستان: پاکستان ہی نے 2018 میں طالبان کو امریکہ کے ساتھ مذاکرات پر مجبور کیا تھا۔ زلمے خلیل زاد نے دوحہ میں مذاکرات شروع کرنے کے لیے طالبان کو سفری سہولیات فراہم کرنے پر پاکستان کا شکریہ ادا کیا تھا، سیکریٹری دفاع لویڈ اوسٹن نے 21 مارچ 2021 کو پاکستان کے آرمی چیف سے ٹیلی فون پر بات کرتے ہوئے "شکریہ ادا" کیا کہ "پاکستان افغان امن عمل کی مسلسل معاونت کر رہا ہے۔" (پینٹاگون کے سربراہ نے 23 مارچ 2021 کو افغان امن عمل میں پاکستان کے کردار کی تعریف کی، الفجر میگزین، 23 مارچ 2021)۔ پاکستان کے سینئر فوجی افسران اور سیاسی طبقے نے افغانستان میں امریکہ کی حکمت عملی میں بنیادی کردار ادا کیا۔ یوں پاکستان کا کردار اہم ہے، آج بھی اور تاریخی طور پر بھی۔ تحریک طالبان افغانستان کے پاکستان سے روابط ہیں۔ پاکستان کی آئی ایس آئی اور دیگر پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے افغانستان میں اثر و رسوخ اور روابط ہیں اور ان کے لوگوں کے طالبان سے رابطے ہیں، یہی وجہ ہے کہ امریکہ پاکستان کے کردار پر بہت انحصار کرتا ہے۔

ب۔ ترکی: جو کچھ اس نے شام اور لیبیا میں کیا، افغانستان میں بھی وہی کرنے کے لیے متحرک ہو رہا ہے اور امریکہ کی خارجہ پالیسی کے اہداف حاصل کرنے میں مدد کر رہا ہے۔ ترک ساحلی مقام انتالیہ میں ایک بین الاقوامی

اجلاس کے دوران ترک وزیر خارجہ مولود جاویش اوگلو نے ترکی کی جانب سے افغانستان کے کابل ائرپورٹ کی سیکیورٹی کی تجویز پیش کی۔۔۔واشنگٹن نے انقرہ کی جانب سے کابل ائرپورٹ کی سیکیورٹی کو یقینی بنانے کے حوالے سے اہم کردار کی پیشکش کو خوش آئند قرار دیا۔ ترکی کی جانب سے یہ پیشکش گذشتہ مہینے برسلز میں اردوگان اور بائیڈن کی ملاقات کے بعد ہوا۔ امریکہ چاہتا ہے کہ ترکی کابل ائرپورٹ کی چوکیداری کی ذمہ داری ادا کرے جس کے اب بھی 500 فوجی ائرپورٹ کے قریب ہیں۔ بائیڈن نے 8 جولائی 2021 کے اپنے خطاب میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ہم بین الاقوامی ائرپورٹ کی سیکیورٹی کی ضمانت کے لیے اپنے بین الاقوامی شراکتداروں سے رابطے کر رہے ہیں۔ "اردوگان نے کہا" ہم نے امریکہ اور نیٹو کے ساتھ مستقبل کے مشن کے انتظامات کا فیصلہ کیا ہے کہ ہم کیا قبول کرتے ہیں اور ہم کیا قبول نہیں کرتے ہیں۔ ہم نے یہ مسئلہ نیٹو کے اجلاسوں کے دوران ، بائیڈن سے میری ملاقات کے دوران اور اپنے وفود کے مابین تبادلہ خیال کے دوران اٹھایا تھا۔ ہم افغانستان میں اس آپریشن کو بہترین طریقے سے نافذ کریں گے۔" (الجزیرہ عربی، 9 جولائی 2021)۔ 2 جولائی 2021 کو ترک صدر کے ترجمان ابراہیم قیلین کے متعلق خبر شائع ہوئی کہ انہوں نے کہا، "ترکی اس گرمی کے موسم میں نیٹو فورسز کے نکلنے اور امریکہ کی قیادت میں امدادی مہم کے ختم ہونے پر کابل ائرپورٹ کی سیکورٹی کی ذمہ داری سنبھال لے گا"۔ انہوں نے مزید کہا کہ "افغان حکومت کی افواج کی تربیت، مشورے اور معاونت کے لئے نیٹو کا امریکہ کی زیر قیادت ریزولوٹ سپورٹ مشن ستمبر میں مغربی فوجی اتحاد کے فوجیوں کے انخلا کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا۔" (3 جولائی 2021، الشرق الاوسط)۔ تحریک طالبان نے ترکی کی موجودگی کو مسترد کیا اور اپنے بیان میں کہا کہ "امریکہ کی قیادت میں بین الاقوامی فورسز کے ملک سے نکلنے کے بعد ترک سیکیورٹی فوسز کی موجودگی ناقابل قبول ہے اس قسم کے فیصلے شرانگیز ہیں۔ انہوں کہا کہ ترک قیادت کا فیصلہ عقلمندی پر مبنی نہیں، کیونکہ یہ ہماری خود مختاری کے خلاف ہماری سرزمین کی سلامتی اور وحدت کو پامال کرنا اور ہمارے قومی مفاد کے خلاف ہے" (الجزیرہ، 13 جولائی 2021)

ج۔ وسطی ایشیا: امریکہ اپنی کچھ فوج رکھنے کے لیے وسطی ایشیائی ممالک کی قیادتوں سے بات چیت کر رہا تھا۔ نیویارک ٹائمز نے خبر دی کہ امریکی عہدہ دار قازق اور ازبک حکومتوں سے خطے کے اڈوں کے ممکنہ استعمال کے حوالے

سے رابطے میں تھے۔ امریکی سیکریٹری خارجہ انتونی بلینکن نے اپنے ٹوئیٹ میں کہا کہ انہوں نے 22 اپریل کو ازبک اور قازق وزرائے خارجہ سے امریکی اور نیٹو فورسز کی جانب سے فوجی اڈوں کے استعمال کے حوالے سے بات کی ہے۔ امریکی اور مغربی اتحادی ممالک ڈرونز، لانگ رینج بمبار اور جاسوس نیٹ ورک کا استعمال کرتے ہوئے افغانستان کو دوبارہ دہشت گردی کا ایک مرکز بننے سے روکنے کی کوشش کریں گے "(نیویارک ٹائمز 27 اپریل 2021)

7۔ مندرجہ بالا حقائق سے یہ واضح ہے کہ:

ا۔ مذاکرات کو جاری رکھنا امریکہ کے افغانستان سے انخلاء کے لیے نہیں بلکہ دھوکہ دینے کے لیے ہے، امریکہ سامنے والے دروازے سے نکل کر پچھلے دروازے سے آنا چاہتا ہے جس کی حفاظت اس کے ایجنٹ کریں گے۔ پاکستان، ایران اور ترکی میں اس کے پیروکار اور افغانستان میں اس کے آلہ کار یہ کردار ادا کریں گے، یوں یہ سب افغانستان میں امریکی اثر و نفوذ کی حفاظت کے لیے بنیادی کردار ادا کریں گے۔۔۔

ب۔ جہاں تک قطر کی بات ہے تو وہ مذاکرات کا ماحول دو مقاصد کے لیے بنا رہا ہے: پہلا مقصد امریکہ سے ساز باز کرکے سعودیہ کی جانب سے محاصرے کو ختم کروانا تھا، اور پھر ایسا ہی ہوا۔۔۔ خاص کر 29 فروری 2020 ٹرمپ انتظامیہ کے دور میں دوحہ معاہدے کے بعد۔۔۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ قطر نے اپنے آقا برطانیہ کی حمایت سے طالبان سے اپنے روابط کو امریکہ کو تنگ اور پریشان کرنے کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ جان بوجھ کر مداخلت کرنے کے نقطہ نظر سے کیا جارہا ہے کیونکہ قطر طالبان کو مالی معاونت فراہم کرتا ہے، ان کے لیے سفارتی دفتر کھولا ہے اور میڈیا پلیٹ فارم مہیا کیا ہے، جس کی وجہ سے امریکہ کو طالبان سے روابط کے آسانی کے لیے قطر کی ضرورت رہتی ہے۔۔۔ انگریز اسی طرح کرتا ہے اور اس سیٹ اپ کو قطر اور خلیج میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے استعمال کرتا ہے، اور امریکہ کے طالبان سے روابط کے لیے قطر کے کردار کی محتاجی سے فائدہ اٹھاتا ہے۔۔۔

ج۔ طالبان کا امریکہ اور افغان حکومت میں اس کے ایجنٹوں کے ساتھ مذاکرات میں شامل ہونا بڑی غلطی تھی۔۔۔ ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ افغان مسلمانوں کو اس کے شر سے محفوظ رکھے، استعماری کفار اپنے ارد گرد کے

حالات کی وجہ سے اپنے مفادات کے حصول کے لیے ہی مذاکرات کرتے ہیں، امریکہ کے ارد گرد حالات کو گہرائی سے دیکھنے والا یہ سمجھ سکتا ہے۔ لہٰذا جو بھی دماغ رکھتا ہے، اور سنتا اور مشاہدہ کرتا ہے وہ یہ جان لے کہ:

اول: اس صدی میں چین کا عسکری اور معاشی قوت کے طور پر ابھرنا امریکی مفادات کے لیے خطرہ ہے۔۔۔ اس خطرے کی جانب توجہ اب امریکہ کی ترجیح ہے۔ امریکی عہدہ داروں کے بیانات اس کی تصدیق کرتے ہیں جو ہم نے پہلے 8 جولائی 2021 کی بائیڈن کی تقریر کے ایک حصے کو سامنے رکھا تھا جس میں اس نے کہا تھا: "اور اب ترجیح چین اور دوسری اقوام کے ساتھ اسٹریٹیجک مقابلہ کرنے کے لیے امریکا کی مرکزی مضبوطی کو جمع کرنا ہے جو ہمارے مستقبل کا تعین کرے گا۔"

دوئم: وہ نقصانات جن کا امریکہ کو افغانستان میں سامنا ہوا جیسا کہ پہلے ہم نے بتایا تھا کہ بی بی سی نیوز نے 29 فروری 2020 دوحہ معاہدے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: "افغانستان میں امریکہ کے 2400 سے زیادہ فوجی ہلاک ہوئے۔"

**یہ سب اس پر دلالت کرتا ہے کہ مذاکرات کے بغیر امریکہ افغانستان سے شکست خوردہ ہو کر نکلنے والا تھا مگر وہ مذاکرات کے ذریعے اپنے نفوذ کو محفوظ کر کے وہ حاصل کر کے نکلنا چاہتا ہے جو اس نے جنگ سے حاصل نہیں کیا!**

د۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ طالبان میں سچے اور مخلص بھائی ہیں، لہٰذا ہم انہی سے کہتے ہیں کہ:

۔ معاملہ فہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان مذاکرات کو ختم کر دیں، امریکہ کو وہ حاصل کرنے نہ دیں جو اُس نے جنگ سے حاصل نہیں کیا۔۔۔

۔ اس بات کا یقین کر لیں کہ مسلمانوں کی موت و حیات کا مسئلہ طویل عرصے تک غائب رہنے کے بعد خلافت کا دوبارہ قیام ہے، یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے فرض اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہے۔۔۔

۔ اور یہ جان لیں کہ اسلام اور سیکولرازم کی ملغوبہ حکومت میں شراکت کو اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا کیونکہ اللہ صرف پاک چیز کو قبول کرتا ہے۔۔۔

یہی حق ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿**فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ**﴾ **"حق کے بعد گمراہی کے سوا کچھ بھی نہیں"** (یوسف، 10:32)۔ اور صرف حق کی پیروی ہی طالبان، ملک، اس کے باشندوں اور تمام مسلمانوں کو بچائے گا۔۔۔ حزب التحریر آپ کو یہی نصیحت کرتی ہے جیسا کہ آپ کی پچھلی حکومت کے آغاز میں ہم نے آپ کو نصیحت کی تھی کہ خلافت کے قیام کا اعلان کریں مگر آپ نے اس کو مسترد کیا، پھر آپ کو اندازہ ہوا کہ آپ نے اس کو مسترد کر کے غلطی کی جیسا کہ ملا عمر رحمۃ اللہ نے ایک مجلس میں اس غلطی کا اظہار کیا، لیکن اُس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔۔۔ اور ہم اب بھی اُسی نصیحت کو دہراتے ہیں، تو کیا اب کی بار کوئی مثبت جواب دینے والا ہے؟

**﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾**

**"اے ایمان والو اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہو جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جس میں تمہارے لیے زندگی ہے جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا اور اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے"** (الانفال، 8:24)

9 ذی الحجۃ 1442

19 جولائی 2021

فہرست

خلا سے ایسی نظر آتی ہے ہماری سرزمین۔ زمینی طور پر ہم سب مسلمان جڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں یہ بات کتنی عام سی ہی کیوں نہ لگے لیکن اس حقیقت نے کفار کی نیندیں حرام کی ہوئی ہیں۔ مصنوعی قومی ریاستوں اور ٹکڑوں میں بانٹے جانے کے باوجود ہماری شناخت اسلام سے ہی ہے۔ اسی لئے اس زمینی تسلسل کی خلافت کے قیام کے ذریعے ایک حتمی ریاست میں تبدیلی، ایک طبعی امر ہے۔
#UnificationViaKhilafah

اے پاکستانی حکمرانو! کیا تم اس انکار میں ہو کہ حکمبر بائیڈن تمہیں بھی استعمال شدہ ٹشو پیپر کی طرح کوڑے دان میں پھینک دے جیسے اس نے کٹھ پتلی افغان حکومت کے ساتھ کیا؟ اپنی عزت اور غیرت کا پاس کرو، امریکی اتحاد سے توبہ کرو اور خلافت کے دوبارہ قیام کے لئے راستہ چھوڑ دو تاکہ حکمبر امریکہ کو اس کے استعماری اثر ورسوخ کے ساتھ اس خطے سے ذلیل و رسوا کر کے باہر نکالا جا سکے۔
#HiredFacilitators

دارالاسلام وہ جگہ ہے جہاں لوگوں کے تمام تر امور کی دیکھ بھال صرف اور صرف اسلام سے ہو رہی ہو، یعنی معاشی، معاشرتی، حکومتی، عدالتی امور اسلام کے احکامات کے ذریعے چلائے جائیں اور داخلہ و خارجہ اور تعلیمی پالیسی کو صرف اور صرف اسلام کے احکامات کی بنا پر ترتیب دیا جائے
کسی ملک یا علاقے میں اسلام کے احکامات کے ساتھ ساتھ کفریہ احکامات کا نفاذ ہو تو اسے دارالکفر کہا جاتا ہے، خواہ وہاں بسنے والے لوگ مسلمان ہوں اور اس علاقے کا تحفظ مسلمانوں کی طاقت کے بل بوتے پر ہو
اسلام پوری دنیا کو دو ہی طرح کے علاقوں میں تقسیم کرتا ہے ۔ یا ایک علاقہ دارالاسلام ہو گا یا پھر دارالکفر
#Time4Khilafah

وہ امریکہ جس کی نام نہاد طاقت کے بارے میں بتایا جاتا تھا کہ وہ ایک بٹن دبا کر ہمارا تورابورا بنا دے گا، وہ امریکہ مٹھی بھر مجاہدین سے ذلت آمیز شکست کھا کر افغانستان سے بھاگ گیا ہے۔ امریکی نام نہاد طاقت کا جھوٹ پکڑا جا چکا ہے اور جلد ہی پاکستان کی پروفیشنل تربیت یافتہ افواج خلافت تلے اس جھوٹ کو ہمیشہ کیلئے دفن کر دیں گی
#Time4Khilafah

# نُصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفہ راشد کو قرآن وسنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** "پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)